اردو مرکز لائبریری

مدائح و مراثی

مرتبہ اردو مرکز لاہور

CAN BE HAD OF:-
~~From~~ the Manager, Urdu Markaz
Book Depot, Muzang, Lahore.

اُردو مرکز لائبریری

اُردو ادب کے جانفروز مرثیوں اور مدحیہ نظموں کا علمی انتخاب

مدائح و مراثی

مرتبہ

مولٰنا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

باعانت

حضرات اراکین اُردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

(مطبوعہ [illegible] پرنٹنگ ورکس لاہور)

اُردو مرکز

اُردو کی کم مائگی اور اُس کی بے بضاعتی کی داستان اگرچہ اب ایک افسانۂ کہن ہوگئی ہے تاہم بعض ارباب علم و فن کے حلقوں میں اس کا اعادہ اب بھی اُسی سنجیدگی و بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے جس طرح اب سے پچیس تیس برس قبل کیا جاتا تھا۔ اسکی وجہ صرف یہی نہیں کہ ممالک غیر کے انشا و ادب کی تابانیوں نے اُن کی نگاہیں خیرہ کر دی ہیں اور اُن کے نزدیک اُردو ادب و شاعری عبارت ہے چند سطحی پُرمبالغہ و بے کیف مجموعۂ نظم و نثر سے۔ بلکہ اس کے علاوہ وہ بداہتہً یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اردو ادب و شاعری کا سب سے بڑا علمبردار بھی جب اُردو لٹریچر کی حمایت میں زبان و قلم کو جنبش دیتا ہے تو اسی سطحی نمونۂ نثر ادبیت و پامال شعریت پر گرم تواجد نظر آتا ہے جسے مذاق عالیہ کی بارگاہ صرف بے توجہی و بے اعتنائی کا مستحق سمجھتی ہے ؂

واقعہ یہ ہے کہ اُردو نظم و نثر کے بیشتر نمونے ہندوستانیوں کے زمانۂ انحطاط و تنزل کی پیداوار اور ہماری پستی و نکبت کے پس ماندہ آثار و یادگار ہیں اور اس طرح اُردو ادبیات کا تمام صالح و غیر صحیح سرمایہ باہم خلط ملط ہو کر رطب و یابس کا ایک انبار ضخیم بن گیا ہے۔ ان حالات میں ایک طرف تو وہ بلند علمی طبقہ

اس سے بددل ہو کر اُسے قطعاً ناقابل توجہ سمجھنے لگا دوسری طرف ایک جماعت ایسی ہے جو اپنی ملکی زبان اور وطنی انشا و ادب سے والہانہ جوش میں اس کی انتہائی حمایت پر آمادہ ہے لیکن زندگی کے دیگر مشاغل اور اُس کی شدید مصروفیتوں کے باعث اُسے اتنی فرصت نہیں کہ اس تمام ذخیرہ خس و خاشاک سے کارآمد و جاندار حصّے کو الگ کر کے اردو ادب کی حقیقی قدر آشنا ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج موافق و مخالف دونوں اُس کی قدر و قیمت کے اصلی اندازے سے محروم ہیں۔

اِس وقت حالت یہ ہے کہ اُردو کو تہی مایہ اور بے بضاعت کہنا ایک طرح پر فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ یونیورسٹیوں ٹیکسٹ بک کمیٹیوں اور کونسلوں وغیرہ میں بھی وقتاً فوقتاً اور موقع بے موقع اُس کی تہی مائیگی اور بے بضاعتی کا غلغلہ بلند کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت آشنا اصحاب اس خیال سے کبھی متفق نہیں ہوتے۔ جن لوگوں نے اُردو کی فہرستہائے کتب پر کبھی نظر ڈالی ہے اور لائبریریوں میں جا کر نادر الوجود قلمی و مطبوعہ نسخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُردو زبان ایک بحر بیکران ہے جس کا دامن نادر موتیوں کا ایک سیر حاصل جلوہ زار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُردو ادبیات کا دامن رطب و یابس کے بدنما داغوں سے کلیتہً پاک نہیں لیکن یہ عیب دُنیا کی اُن ترقی یافتہ زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو فی زمانہ علمی زبانیں کہلاتی ہیں۔ اگر اُردو میں پست و پامال لٹریچر کی اشاعت بڑی کثرت و وسعت سے ہو رہی ہے۔ تو انگریزی میں بھی چار آنے کے ناولیں لکھنے والے مصنّفین کی تعداد کسی طرح کم نہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی

تصانیف بلا استثنا مبتذل اور سوقیانہ انداز کی ہوتی ہیں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں انگریزی لٹریچر کی فضیلت کے ثبوت میں ملٹن ۔ شیکسپیئر ۔ شیلے ۔ ورڈسورتھ ۔ جانسن میکالے اور رائڈر ہیگرڈ وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں ۔ وہاں اُردو ادبیات کی محفل بھی میر د غالب ۔ انیس اور دبیر ۔ حسن اور نسیم ۔ داغ اور حالی ۔ آزاد اور نذیر احمد ۔ سرشار اور شرر ۔ سرسید اور شبلی ۔ اکبر اور اقبال جیسی بلند پایہ شخصیتوں سے خالی نہیں ۔

اِس میں شک نہیں کہ اُردو حکمران قوم کی زبان نہ ہونے کے باعث اس قدردانی سے محروم ہے جو ہندوستان کے بیس کروڑ باشندوں میں تبادلۂ خیالات کے آسان ترین وسیلہ کی حیثیت سے اُس کا جائز حق ہونا چاہئے مگر اُس کی بے بضاعتی کا رونا اس کی اور اُس کے اہل قلم کی ناقدری سے زیادہ ان مفروضہ اثرات پر مبنی ہے ۔ جو کسی چیز کی ناقدری اور کس مپرسی کے قدرتی عواقب سمجھے جاتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ اس کا محرک یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اُردو کو بے مایہ اور تہی دامن نہ کہا جائیگا ۔ تو کہنے والے کی ہمہ دانی ۔ وسعت مطالعہ بلکہ خوش مذاقی پر بھی حرف آئیگا ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اُردو نے اس کس مپرسی کی حالت میں بھی جملہ مراحل ارتقا کو حیرت آفریں سرعت سے طے کیا ہے اور ثابت کردیا ہے کہ خداداد اہلیت اپنے اظہار کے اسباب خود مہیا کرلیتی ہے ۔ یہ ناقابل انکار صداقت ہمیشہ کے

لئے مستور نہیں رہ سکتی کہ رطب و یابس کے اِس انبار اور خس و خاشاک کے اس ذخیرہ میں جو آجکل اصطلاح عامہ میں اُردو لٹریچر کا دوسرا نام ہے۔ اس قدر مسالہ موجود ہے کہ اگر اس کی طباعت کا انتظام مناسب اہتمام کے ساتھ کیا جائے تو ممتاز سے ممتاز لائبریریوں کی زینت میں گرانبہا اضافہ ہو سکتا ہے۔

اُردو مرکز کے سلسلے میں ہمیں اُردو لٹریچر کے وسیع مطالعہ سے جو تجربہ ہوا اُس کی بنا پر علی رؤس الاشہاد ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُردو لٹریچر کے منتخبات سے یونیورسٹی کے تمام اعلیٰ مدارج کے لئے کورس تیار ہو سکتے ہیں۔

"خدمت زبان" اور "خدمت ادب" کی جو صدا تمام طول و عرض ہند میں گونجی ہوئی ہے اور ملک کے بہتر سے بہتر دل و دماغ اس کے لئے جس طرح وقف کار و جد و جہد ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ بہت اُمید افزا ہے مگر اُسی کے ساتھ ہم اِس اظہار خیال سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ تعلیم و تربیت کے ابتدائی منازل سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ طبقات علمی کے لئے جب تک اُردو ادب کے ایسے منتخب نمونے (جو ہمارے پست دور زندگی کے زہر آگین عناصر سے بالکلیہ پاک ہوں) کی ترویج و اشاعت کا انتظام نہ کیا جائیگا اور اِس طرح مُلک میں جب تک ایک اعلیٰ اور صالح ذہنیت و صلاحیت نہ پیدا کیجائیگی اُسوقت تک "خدمتِ اُردو" کے سلسلے میں ہماری بڑی سے

بڑی سعی بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ بار آور نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہم کامل یقین و وثوق کیساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اردو اور اس کی ادبی خدمات کے ضمن میں سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ ایک ایسا سلسلۂ مجلدات تیار کیا جائے جسے حقیقی معنوں میں اپنا لٹریچر کہتے ہوئے ہم کوئی ندامت نہ محسوس کر سکیں۔ اس قسم کے منتخب لٹریچر کی اشاعت سے نہ صرف یہ کہ اردو میں ایک مخصوص تابناک دورِ حیات کا آغاز ہوگا بلکہ اس سے ہماری آیندہ نسلیں ادبی گمراہیوں سے محفوظ رہ کر ایک اعلیٰ ذہنیت اور معقول صلاحیت علمی کی بھی حامل ہو سکیں گی ÷

"ایک اچھی لائبریری ایک ارزاں یونیورسٹی ہے"

یہ کسی یورپین مصنف کا قول ہے جس کی بلیغ معنویت اپنے اجمال و ابہام میں بھی کسی مزید تفصیل و توضیح کی محتاج نہیں۔ اردو مرکز کے ان مقاصد عالیہ میں جو اردو مخزن العلوم کی تدوین اور اردو زبان کے دارالافتا کی تنظیم پر مشتمل ہیں اردو ادب کے نادر و کار آمد حصے کا تحفظ بھی داخل ہے چنانچہ مذکورہ خیالات کی بنا پر اس نے اپنے لائحہ عمل کی اوّلین دفعہ یہی رکھی ہے کہ اردو زبان نے اپنی موجودہ مدتِ حیات میں جو صالح اور جاندار ذخیرۂ ادب تیار کیا ہے اُسے مسلسل مجلدات میں ترتیب دے اور اس طرح اس یوروپین مصنف کے مذکورہ بالا قول میں خفیف سی ترمیم کر کے

"ایک اچھی یونیورسٹی ایک ارزان لائبریری کی شکل میں"

ملک کے سامنے پیش کر دے ÷

تجاویز اور "اسکیم بازی" خوش فکر دماغوں کا ایک عملِ تعیّش ہے اصل سوال "ہو تو کیونکر ہو" کا ہے۔ اسلئے ہم نے سب سے پہلے ملک کے بعض مشاہیر سے اس باب میں استمزاج کیا۔ اُردو مرکز کے نمایندگانِ خصوصی نے زحمتِ سفر برداشت کر کے بعض بزرگوں سے بالمشافہ گفتگو کی اور طریق انتخاب و طریق کار کے متعلق اُن سے نہایت مفید مشورے بھی حاصل کئے۔ اُن بزرگوں میں سے مندرجہ ذیل اصحاب کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں :-

علامہ عبدالحلیم شرر مرحوم۔ علامہ عمادی۔ مولینا عبدالماجد بی۔ اے مصنّف فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع۔ مرزا اعجاز حسین دہلوی بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل۔ مولینا سید غلام بھیک نیرنگ بی۔ اے وکیل پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم۔ اے لکچرار مسلم یونیورسٹی و مدیر سہیل علیگڈھ پروفیسر کشوری موہن مترا ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لنڈن) مولینا سید جالب دہلوی ایڈیٹر "ہمدم" لکھنؤ۔ ڈاکٹر شانتی سروپ ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس سی یونیورسٹی پروفیسر۔ میاں بشیر احمد بی۔ اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا، ایڈیٹر ہمایون۔ خان بہادر ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع بیرسٹر ایٹ لا، کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایل۔ ایل۔ ڈی ‌۔

مولینا سید راشد الخیری دہلوی ایڈیٹر رسالہ عصمت دہلی۔ چودھری فتح دین ایم۔ اے ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن۔ مولینا سید ناصر نذیر فراق دہلوی۔ چودھری محمد حسین صاحب بی۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس

ڈی - آئی منٹگمری - شیخ ظہور الدین صاحب بی - اے - پی - آئی - ایس
ڈی - آئی - لائل پور - خان بہادر مولوی خورشید احمد صاحب بی - اے
ریٹائرڈ ڈویژنل انسپکٹر راولپنڈی - راجہ فاضل محمد خان صاحب بی - اے
پی - ای - ایس ڈپٹی انسپکٹر راولپنڈی ڈویژن - چودھری غلام رسول
صاحب شوق ایم - اے - پی - ای - ایس - ڈی - آئی ڈیرہ غازیخان
خواجہ دل محمد صاحب ایم - اے - ایم - آر - اے - ایس (لنڈن) پروفیسر
اسلامیہ کالج لاہور - مولینا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی
ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم ایم - اے - پی - ایچ - ڈی پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی
مولٰنا سالک ایڈیٹر انقلاب - مولینا حافظ احمد علی خان صاحب
منصرم کتب خانہ ریاست رام پور - مولینا خلیقی دہلوی -
حضرت ہوش بلگرامی ایڈیٹر ذخیرہ ؎

اس کے علاوہ اور اکثر خوش مذاق حضرات سے جو اردو ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں تبادلہ خیالات کا موقع آتا رہا مگر مذکورہ اصحاب میں سے خصوصیت کے ساتھ جس نے اُردو مرکز کے کاموں سے دلچسپی کا اظہار فرمایا وہ علامہ شرر مرحوم کی ذات تھی - موصوف نے نہ یہ کہ طریق کار کے متعلق مشورے عنایت فرمائے بلکہ بعض صحبتوں میں اپنا گراں بہا وقت فراہمی مواد اور مشکلات انتخاب کے حل کرنے میں بھی صرف فرمایا - موصوف کا یہ وعدہ بھی تھا کہ آخر جنوری تک لاہور تشریف لاکر اور کچھ دنوں قیام فرما کر اُردو مرکز کے کاموں میں اعانت بھی فرمائینگے مگر افسوس مرحوم کی اچانک موت نے ان

تمام حوصلوں کو بار آور ہونے نہیں دیا۔
یہ صحیح ہے کہ ہمنے اخبارات و رسائل میں اپنی ان تجاویز و عزائم کا کوئی شور نہیں مچایا اسلئے کہ ؎

"عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند"

صرف مخصوص ارباب قلم کی خدمت میں ایک ایک مطبوعہ تحریر بھیجکر اُن سے میٹر (مواد) اور مفید مشوروں کی التجا کی تھی۔ اس تحریر کی نقل بجنسہٖ درج ذیل ہے :-

جناب محترم!

یہ امر جناب سے پوشیدہ نہیں کہ ملک کا بہی خواہ اور علم دوست طبقہ ایک مدّت سے اُردو کو دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی سطح پر لانے کیلئے بیقرار ہے۔ اس حیثیت سے موقت الشیوع جرائد و رسائل اور ملک کی چھوٹی بڑی علمی جماعتیں اور انجمنیں جو کچھ کر رہی ہیں انکا کافی احترام رکھتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کے اظہار بغیر چارہ کار نہیں کہ کام کی اہمیت اس تنگنائے فکر سے گذر کر مزید وسعتِ عمل کی محتاج ہے۔ "اُردو مرکز" (ملک کی واحد اُردو اکاڈمی جو دُنیائے ادب کے مشاہیر اہل قلم کی گرانقدر مجلس کی نگرانی میں ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے) نے اس امر کو ملحوظ رکھکر اپنے مجوزہ نظام عمل کے لئے حسب ذیل دفعات مقرر کئے ہیں :-

(۱) اُردو کے اُس حصّہ ادب و شاعری کو (جو محفوظ رکھنے کے قابل

ہے اور جو در اصل اُسکی آیندہ ترقیات کا اصلی ہیولیٰ بھی ہے جلد سے
جلد انتخاب کے بعد مستقل مجلّدات کی صورت میں ترتیب دینا +
(۲) اُردو میں ایک مخزن العلوم (انسائیکلوپیڈیا) تیار کرنا +
(۳) اردو زبان کے فتوحات ادبیہ کا ایک منتخب مجموعہ سال بسال
مجلّدات کی شکل میں پیش کرتے رہنا + (۴) گرانقدر نایاب مطبوعہ و
غیر مطبوعہ اُردو کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور حسب استطاعت
ہر قسم کی علمی و ادبی اردو تصنیفات و تالیفات کی اشاعت +
(۵) اردو مرکز کی مجلس مشاورۃ (جو درحقیقت اُردو زبان کیلئے ایک
ادبی دارالافتاء ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ
کی اختراع اور متنازعہ فیہ امور ادبیہ کے متعلق ناطق فیصلہ +

ان دفعات کی اوّلین قسط یہ ہے کہ نظم و نثر کے اس بہترین حصّہ کو
جسے اُردو ادب اپنی موجودہ مدّتِ حیات میں فراہم کر سکا ہے ایک باقاعدہ
و منتظم صورت میں ملک کے سامنے پیش کر دے ۔ یہ مجموعہ جہاں ایک طرف
اُردو ادب و شاعری کا حاصل و عطر ہوگا وہیں یہ امر بھی مدِنظر ہے کہ حتی الامکان
اس میں ایک حدِ خاص تک ترتیب تاریخی بھی ملحوظ ہے تاکہ ہر دَور کے
خصوصیات اور ادبی دماغ کے ارتقائی مدارج کا بھی سرسری طور پر اندازہ
ہو سکے۔ اس التزام کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی پیش نظر ہے کہ شعرا اور
اُدبا کی تصاویر اور اُن کے حالات سے بھی (جس قدر دستیاب و
میسّر ہو سکیں) ان مجلّدات کی رونق و زینت میں اضافہ کیا جائے

ان بلند اور وسیع عزائم کی اہمیت اور ان کے مشکلات کا جناب خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اُردو مرکز لاہور نے خدا کا نام لیکر اس کام کو شروع کردیا ہے جسے ارباب ذوق کی مشورہ قابل قدر جماعت نہایت سرعت سے انجام دے رہی ہے بلکہ اس کام کا ایک بڑا حصہ پریس میں بھی جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے مشہور فضلا و ادیب بھی اپنے زریں مشوروں اور اعزازی خدمات سے اُردو مرکز کی اعانت فرما کر خدمتِ زبان کا غیر فانی ثبوت دے رہے ہیں لیکن مشرقی اخلاق و ذہنیت کی ناقابل تردید عظمت یہ ہے کہ یہاں کے کاموں کی تمام مشکلات کو صرف سرمایہ و مالیات ہی کے زور پر حل نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ ملک میں بحمداللہ ایسے غیور و عالی حوصلہ بزرگوں کی کمی نہیں جو ملک کے مفید کاموں کی اعانت و حوصلہ افزائی کو مادی "سود و زیان" سے آلودہ کرنا پسند نہیں کرتے اور صرف بے غرضانہ اعانت کو اپنی خدمات کا حقیقی نعم البدل تصوّر کرتے ہیں۔ نظر بران جناب سے بکمال ادب گذارش ہے کہ اپنی نظم و نثر کا ایک منتخب اور خوشخط مجموعہ مع اپنے حالات اور بلاک کے (اور اگر بلاک موجود نہ ہو تو تصویر) اردو مرکز انارکلی لاہور کے نام ارسال فرمائیں۔ اسی کیساتھ ہمارے کاموں کے متعلق اگر کوئی مفید مشورہ بھی عنایت فرمائینگے تو اسے بھی نہایت شکریہ کیساتھ قبول کیا جائیگا۔ اُردو نظم و نثر کی کوئی ایسی کارآمد تصنیف و

تالیف جو ابتک کنج گمنامی میں پڑی ہوئی ہو اسکے منتخب حصے معہ مصنف یا مؤلف کے حالات کے اگر دستیاب ہو سکیں تو وہ بھی براہ عنایت ارسال کئے جائیں۔ اس قسم کی زرین امداد دینے والے حضرات کا اس تاریخی سلسلہ میں شکریہ کے ساتھ اعتراف کیا جائیگا۔ اسکے علاوہ کارکنان اُردو مرکز ایسے تمام حضرات سے جنہوں نے اُردو ادب و شاعری کی کوئی خدمت انجام دی ہو یہ اُمید کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینگے اسلئے کہ ان کے حالات اور گرانمایہ کارنامے اگر اُردو ادب و شاعری کے اس مستقل اور مبسوط ریکارڈ اور مخزن میں نہ آئے تو یہ امر بڑی حد تک طرفین کیلئے قابل افسوس ہوگا۔

المُلتمِس مہتمم اردو مرکز۔ انارکلی لاہور

چنانچہ اس درخواست پر اطراف ملک سے ہماری جسقدر حوصلہ افزائی کی گئی وہ ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ تھی۔ انتہا یہ کہ بعض کرمفرماؤں نے تو اپنے مستقل کارنامہ ہائے علمی ہمیں انتخاب و طباعت کیلئے مرحمت فرما دئیے جن سے گو ہم بقدر ضرورت ہی متمتع ہو سکے تاہم اُنکی مخلصانہ اعانت کے تہ دل سے معترف و سپاس گذار ہیں۔

اُردو ادب اور اُس کا سرمایۂ علمی

ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکنے کے بعد ہم نے پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے ایک لائبریری مرتب کی اسمیں ہمیں جو قیتیں پیش

آئیں وہ بہت صبر آزما تھیں۔ مروّجہ کتب کا حاصل کر لینا تو چنداں دشوار نہ تھا۔ کسی مطبع یا کتبخانہ کی فہرست اٹھائی اور اُسمیں سے جو کتابیں مفید مطلب نظر آئیں۔ انکی قیمت منی آرڈر کے ذریعے ارسال کر دی لیکن جو نادر الوجود اور عسیر الحصول نسخے ملک کے دور افتادہ گوشوں میں قدیم مگر گمنام گھرانوں اور غیر معروف لائبریریوں کے اندر لالۂ صحرا کی طرح اپنی جان نواز نکہت رائگان کر رہے ہیں، ان کے مہیّا کرنے میں صرف زر سے زیادہ تلاش و تحقیق کی ضرورت تھی بہر حال جہاں سے اور جس طرح جو کتابیں مل سکتی تھیں ہم نے اپنی لائبریری میں جمع کیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب کی کل کائنات اتنی ہی نہیں اسکی گرانبہا متاع وہ علمی مضامین ہیں جو انتہائی تلاش و کاوش سے ملک کے سر آوردہ اربابِ فن کے قلم سے وقتاً فوقتاً نکلتے رہے ہیں اور جنکے حقیقی سرمایہ دار ہمارے ادبی رسائل ہیں جو ایک مدت سے غیر محسوس طور پر خدمت زبان کی انجام دہی میں مصروف ہیں ان رسائل میں مندرجہ ذیل خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں:۔

مخزن۔ معارف علیگڈھ۔ معارف اعظم گڈھ۔ اُردو (دکن) الناظر لکھنؤ۔ زمانہ کانپور۔ اُردوئے معلّٰی علی گڈھ۔ نگار بھوپال۔ علی گڈھ میگزین۔ ذخیرہ حیدر آباد۔ دکن ریویو۔ ہمایون۔ بہارستان۔ نیرنگ خیال۔ ہزار داستان دلگداز۔ ادیب۔ الہلال۔ کہکشان۔ العصر۔ نوید۔ نقاد۔ شمع آگرہ خطیب دہلی۔ تمدّن دہلی۔ کوکب گونڈہ۔ عالمگیر لاہور۔ شباب اُردو لاہور۔ نقیب بدایوں۔ دلکش مراد آباد۔ صوفی۔ المعلم (دکن)۔ پیمانہ۔ نور جہان۔ عبرت۔ زبان قوس قزح۔ مرقع لکھنؤ۔ افادہ آگرہ۔ افادہ حیدر آباد۔ تحفہ حیدر آباد۔ صلائے عام دہلی

کمال دہلی - زبان اُردو لاہور - ادیب اُردو لکھنؤ - نظارہ میرٹھ نوبہار علیگڈھ وغیرہ ٭

مذکورہ رسائل کی ادبی خدمات کا اندازہ آپ اس سے کرسکتے ہیں کہ آج تقریباً ہر شعبۂ علم کے متعلق ہم ایک معتدبہ و معقول مواد فراہم کر چکے ہیں اُنہیں ہمیں ایسے مضامین بھی ملے جسمیں اس حد تک اجتہاد فکر و دقت نظر سے کام لیا گیا ہے کہ ہم اہنیں اکتشافات و تحقیقات علمیہ کا درجہ دیسکتے ہیں۔ اخبارات اور رسائل پر بیشتر سرسری نظریں پڑتی ہیں اور کسی اچھے سے اچھے مضمون کو بھی دیکھکر اردو ادب کی مجموعی حیثیت کا بالعموم اندازہ نہیں ہوتا لیکن ان تمام رسائل سے ہر موضوع اور ہر بحث کو اگر علیحدہ علیحدہ بالترتیب جمع کیا جائے تو معلوم ہو کہ اردو ادب کا آج کیا درجہ ہے اور وہ زبان جو حکومت کے آغوش میں نشو و نما پارہی ہے آج کس حد تک آزاد ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش چلنے کیلئے بیقرار ہے ٭

چنانچہ کارکنان اُردو مرکز نے مستقل تالیفات و تصنیفات کے علاوہ مذکورہ رسائل کے گہرے مطالعہ و انتخاب کے بعد کئی لاکھ صفحات کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے اور آج ہم اس امر کے اعلان کی جسارت رکھتے ہیں کہ تقریباً تمام شعبہ جات علم و ادب پر ہم نے ڈیڑھ سو مجلدات تیار کر لئے ہیں اور جہانتک حالات مساعدت کرینگے ہم انشاءاللہ بہ اقساط انہیں برابر شایع کرتے رہینگے۔ ان مجلدات سے نہ صرف یہ کہ ملک میں ایک سنجیدہ و کار آمد لٹریچر کی اشاعت ہوگی بلکہ ایک ایسی مختصر سی لائبریری بھی باسانی تیار ہو سکتی ہے جس سے عام مولفین و مصنفین بڑے بڑے دفاتر کی ورق گردانیوں سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ آیندہ جس کسی مصنف کو کسی اہم مضمون تصنیف و تالیف کی ضرورت ہوگی وہ اُس تصنیف یا تالیف کے متعلق اردو مرکز کے منتخبات میں ایک ہی جگہ ضروری مواد فراہم پاکر لائبریریوں میں

مہینوں کی تلاش و جستجو اور ضخیم کتابوں کی ورق گردانی کی زحمت سے بچ جائیگا +

انتخاب نظم و نثر کے متعلق ملک کے سربرآوردہ ارباب فکر کے قیمتی مشورے اور خوش مذاق کارکنوں کا طریق کار اگرچہ کام کی عمدگی کی کافی ضمانت ہے۔ تاہم شروع سے لیکر آخیر تک کمزور انسانوں ہی نے اسے انجام دیا ہے اس لئے اسے "خطا و نسیان" سے کسی طرح مبرّا نہیں کہا جاسکتا۔ ابتدائے کار سے لیکر اسوقت تک ہمنے ہر مشورے کا کافی احترام کیا ہے۔ اور چونکہ یہ کسی فرد واحد کا کام نہیں ہے اسلئے قدرتی طور سے بھی ضد و تعصب کی اسمیں گنجائش نہیں۔ چنانچہ ہم کامل فراخدلی کیساتھ یہ حوصلہ رکھتے ہیں کہ ان مجلّدات کی طباعت واشاعت کے بعد بھی موافق و مخالف دوست و دشمن کی کسی صف سے جو معقول صدائے اصلاح اُٹھیگی اسکا کمال مسرت کیساتھ خیر مقدم کیا جائیگا اور دوسرے ایڈیشن میں شکریہ کیساتھ اس کی تصحیح و تلافی کردی جائیگی +

شعراء مصنّفیں کی تصاویر اور ان کے حالات کی فراہمی میں بھی حتی الوسع ہم نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر جو التزام و اہتمام ہمارے پیش نظر تھا وہ افسوس کہ خاطر خواہ انجام نہ پاسکا +

گذشتہ شعراء مصنّفین میں سے بعضوں کے حالات اور اُن کی تصاویر اگر میسر نہ آسکیں تو چنداں عجب نہیں ستم ظریفی تو یہ ہے کہ عصر موجودہ کے بعض بزرگوں کو بھی اپنے حالات و تصاویر دینے

ہیں مخل و تامل ہوا۔ خدانخواستہ اسلئے نہیں کہ نامحرم نگاہیں اُن پر پڑینگی بلکہ انکسار کی بے کیف فرسودگی اور "میں کس قابل ہوں" کی رسم کہن کا یہی تقاضا تھا۔ حالانکہ اس سے کہیں بہتر عذر "عذر تساہل" ہے۔ جو "شان بے نیازی" کا بھی حامل ہے اور شایان ذہانت بھی۔ تاہم اس باب میں ہماری کوششیں جس قدر بار آور ہوسکی ہیں وہ نذر ناظرین ہیں ؛

طباعت و اشاعت

اب ان مجلدات کی طباعت و اشاعت کا مسئلہ تھا جسمیں خوش آیند تصورات کے بجائے سرمایہ مالی کی ضرورت تھی اسکے لئے ہم میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز لاہور کی فراخ حوصلگی کے رہین منت ہیں جنہوں نے ان مجلدات کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داریاں لیکر اردو ادب کی ایک عظیم الشان خدمت کا تہیہ کیا ہے۔ ان مجلدات کی اشاعت پر اب تک اس فرم کا پچاس ہزار روپیہ صرف ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ سو مجلدات اور تیار ہیں جو وقتاً فوقتاً استعداد حالات کے مطابق شائع کئے جائینگے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اور کس قدر روپیہ صرف کرنا پڑیگا۔ یو۔ پی میں منشی نولکشور آنجہانی کی وہ مساعی جمیلہ جو خدمت اردو کے متعلق ہیں اپنی آپ مثال ہیں۔ لیکن میسرز عطر چند کپور کی فرم کا یہ تہیہ بھی اپنے مقام پر جسقدر حوصلہ افزا و قابل ستائش ہے وہ بھی شاید اردو کی تاریخ میں فقید النظیر ثابت ہو۔ انکا یہ کارنامہ یہ نہیں کہ

تجارتی کاروبار کے ضمن میں ایک عظیم الشان حوصلہ مندی ہے بلکہ وہ ایک اولوالعزمانہ ملکی خدمت ہے جسے دراصل جریدۂ علم و ادب پر شہرت دوام کی مہر بنکر ثبت ہونا چاہیئے +

اُردو مرکز کا اسٹاف

ہم نے ذوق جستجو کو رہبر بنا کر ملک کے ان منتخب اہل قلم و انشا پردازوں کی خدمات حاصل کی ہیں جن پر اُردو دنیا بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس گران قدر ادبی جماعت نے جس انہماک و شغف سے اُردو مرکز کے مفوضہ فرائض کو سر انجام دیا اُس کا اعتراف نہ کرنا حد درجہ کی ناانصافی ہوگی۔ درحقیقت اردو مرکز عبارت اِسی جماعت سے ہے اخباری دنیا سے تعلق رکھنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان حضرات کی قدر و منزلت سے واقف نہ ہو۔ ان کے اسمائے گرامی اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ اُردو مرکز ملک کے بہترین انشا پردازوں کی ایک قابل فخر جماعت ہے +

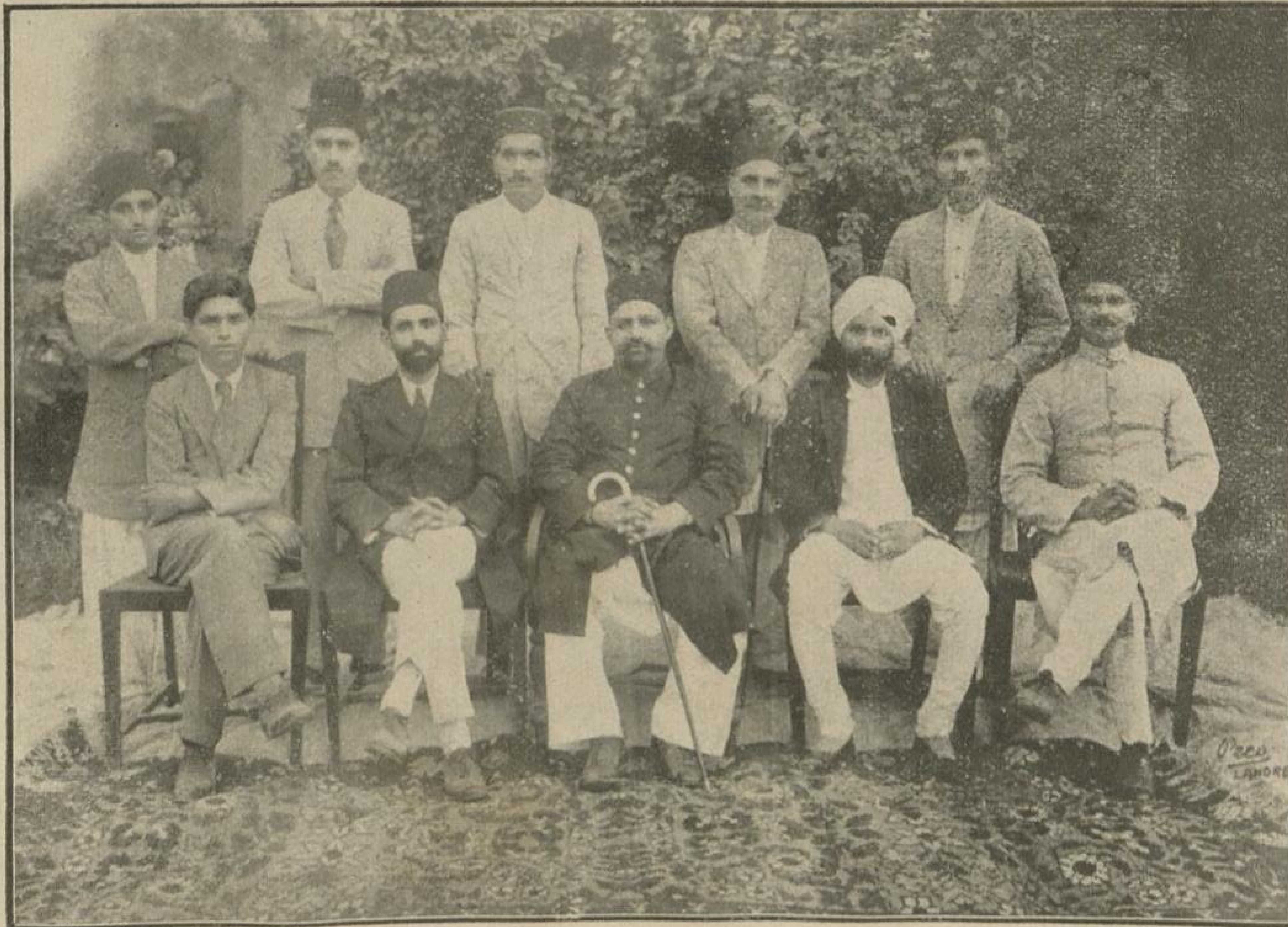
فہرست کارکنان اُردو مرکز

۱۔ حضرت اصغر مصنف نشاط روح

۲۔ سید عابد علی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈیٹر ہزار داستان

۳۔ شیخ محمد ضیاء الدین شمسی جرنلسٹ

کارکنان اردو مرکز



(کرسی نشین حضرات دائیں سے بائیں کو) (۱) حضرات تپش (۲) شائق (۳) تاجور (۴) سلیم (۵) خالد

(استادہ حضرات دائیں سے بائیں کو) (۶) حضرات فاخر (۷) حامد علی خاں (۸) وفا (۹) سرخوش (۱۰) نظر

۴ میاں تصدقؔ حسین خالدؔ ایم - اے -

۵ مسٹر منوہر سہائے انورؔ سہنسوانی جرنلسٹ -

۶ پنڈت میلارام وفاؔ ایڈیٹر سوراجیہ -

۷ مولینا حامد علی خان صاحب بی - اے - (نیشنل)

۸ حضرت فاؔخر ہریانوی - بی - اے -

۹ شبیر علی خان صاحب سرخوشؔ مصنف تذکرہ اعجاز سخن -

۱۰ شیخ عبداللطیف صاحب تپشؔ بی - اے -

۱۱ اصغر حسین خان صاحب نظیرؔ لدھیانوی -

۱۲ حضرت جگرؔ مراد آبادی -

۱۳ مولینا گویاؔ جہان آبادی -

۱۴ مولینا سیمابؔ اکبر آبادی ایڈیٹر پیمانہ -

۱۵ شیخ محمد ہادی حسین قرشی ایم - اے -

۱۶ سردار اودے سنگھ شائقؔ بی - اے ایل ایل بی -

۱۷ مسٹر یوسف سلیم بی - اے -

اُردو مرکز کی مجلس مشاورت

اردو مرکز کے کاموں میں مسلسل طور پر مشورہ کی زحمت جن حضرات نے فرمائی -
ان کی التفات بے پایاں کا اعتراف بھی ہم صدق دِل سے کرتے ہیں -
یہ محترم حضرات صرف یہی نہیں کہ اپنا وقت عزیز پابندی کے ساتھ

اردو مرکز کے منتخبات پر ناقدانہ نظر ڈالنے پر صرف کرتے رہے معیار انتخاب قائم کرنے میں اپنے زرّین مشوروں سے مسلسل طور پر ہماری امداد فرمائی - بلکہ اردو مرکز کے خلاف للّٰہی بغض رکھنے والی سازشی جماعت کے حملوں کے لیئے ان کی مقتدر شخصیتیں سدّ سکندری ثابت ہوئیں۔

اراکین مجلس مشاورت

آنریبل خان بہادر سر شیخ عبد القادر بیرسٹرایٹ لا - ریوینیو ممبر ایگزیکیٹیو کونسل پنجاب

خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب ایم اے - آئی - ای - ایس - انسپکٹر آف ٹریننگ انسٹیٹیوٹس صوبہ پنجاب -

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی (ادبی نقاد)

آخر میں ہم اس خدائے قادر و توانا کا شکر ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس نے نہانخانۂ غیب سے ہمارے لئے یہ اسباب و وسائل فراہم کردئے - اور اپنے لطف و کرم سے ہمیں بُری بھلی خدمتِ زبان کی توفیق عطا فرمائی - لیکن اُسی کی عادتِ جاریہ یہ بھی ہے - کہ وہ ہر اعلیٰ و صالح تحریک کے لئے مخالفین و مزاحمین کی بھی ایک جماعت تیار کردیتا ہے - ورنہ پھر نہ تو کسی پُر مغز و مخلصانہ خدمت کی قدر و قوت کا اندازہ ہو اور نہ اُسے پوری طرح پھیلنے اور کامیاب ہونے کا موقع مل سکے -



(۱) خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب آئی ای ایس (۲) سر شیخ عبدالقادر صاحب (۳) حضرت کیفی دہلوی

ہندوستان میں جہاں تعمیر کے مقابلہ میں شوقِ تخریب اور بڑھانے کے عوض نیچے گھسیٹنے کا جذبہ نسبتہً زیادہ ہے۔ ہم اس سعادت سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ اردو مرکز اپنی ناچیز خدمات کا کوئی عملی ثبوت پبلک میں پیش کرے۔ بعض حلقوں میں اس کے متعلق پیشتر ہی سے چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ غالب نے کہا تھا ؎

ندانم تا چہ برق فتنہ خواہد ریخت بر ہوشم
تصوّر کردہ ام بگستن بندِ نقابش را

یہاں بھی اردو مرکز اور اس کے کارناموں کا "گسستن نقاب" تو ایک طرف محض اُس کے تصوّر ہی سے ایک تلاطمِ اضطرار پیدا ہو گیا۔ اور گھبرا کر ہمارے دوستوں کی نگاہیں اپنے اپنے ترکشوں پر پڑنے لگیں۔ چنانچہ اردو مرکز اور اُس کے اراکین کے متعلق پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ اخبارات و رسائل کے صفحات میں بھی مختلف رنگ اور مختلف عنوانوں سے تنقیص و تعریض کا شریفانہ عمل شروع ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری طرف سے "اشتراکِ عمل" کی دعوت عام تھی باینہمہ بعض حلقوں میں اگر ایسی بے چینیاں موجود ہوں۔ جن کی بنیاد میں ناگفتہ بہ جذبات کارفرما ہیں۔ تو شاید ہماری اور ان کی متفقہ کوششیں بھی انہیں زائل نہیں کر سکتیں۔ بہرحال ہمیں اور ہمارے دوستوں کو اپنا اپنا کام کرتے رہنا چاہئے۔ انجام کار کا فیصلہ اُسی خدا پر ہے۔ جس نے محسود کو حاسد پر۔ فراخ دلی کو تنگ نظری پر۔ تعمیر کو تخریب پر ہمیشہ فتح

دی ہے۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ ہم لوگوں کے لئے اپنے اِس لازوال قانون میں تبدیلی ہرگز نہ کرے گا۔

ہم اپنی طرف سے اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ جس خدا نے ہمارے لئے اسباب و وسائل مہیا کر کے ہمیں تھوڑے سے کام کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اُسی نے ہمیں وہ صبر و سکون بھی (جو ہر کام کرنے والے کے لئے ضروری ہے) مرحمت فرمایا ہے۔ ہم اپنی جانب سے کسی سے الجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور اپنے کرم فرماؤں کی تعریض و نکتہ چینی سے بھی (خواہ وہ کسی رنگ میں کیوں نہ ہو) صرف اپنی اصلاح و فلاح کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اور بس ع

بادہ گر خام شود پختہ کند شیشۂ ما

تاجور چیف ایڈیٹر

اردو مرکز لاہور

فہرست

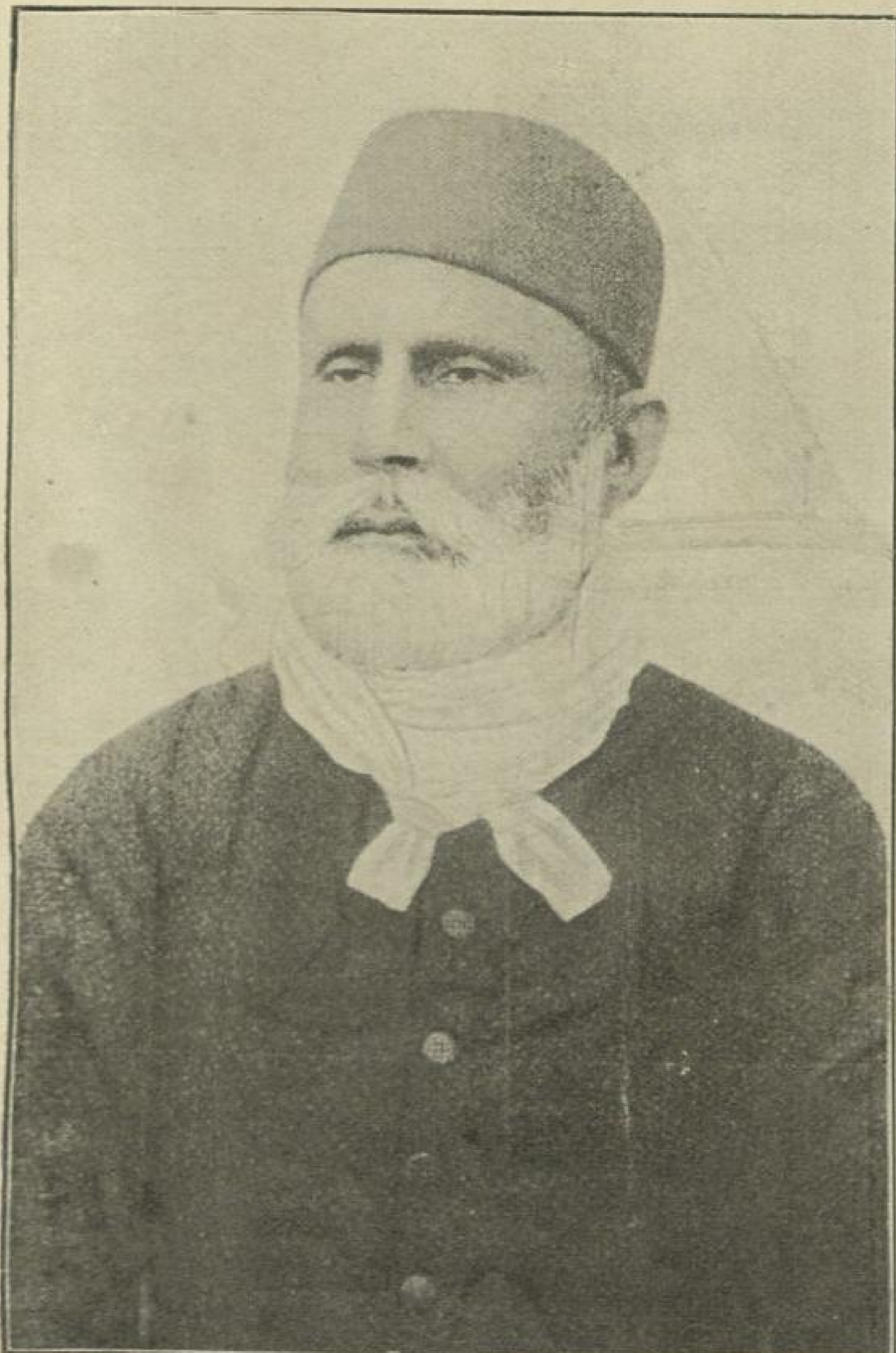
نمبر شمار	عنوان	شاعر	صفحہ
۱	مرثیہ غالب	حالی	۱
۲	مرثیہ حکیم محمود خانصاحب	〃	۸
۳	بربادیٔ خانمان	شبلی	۱۳
۴	نالہ چند در فراق شیخ	اسماعیل	۱۷
۵	ایک مرحوم دوست کی تصویر	نادر	۲۲
۶	لالہ لاجپت رائے	سرور	۲۴
۷	روٹھی رانی	〃	۲۵
۸	نوحہ بر وفات شمس العلما آزاد مرحوم	〃	۲۷
۹	اجڑی دلہن	〃	۲۸
۱۰	سر سید احمد خان	نذیر احمد	۳۳
۱۱	مرثیہ محمود	اکبر	۳۷
۱۲	بر وفات سر سید مرحوم	〃	〃
۱۳	یاد ولایت مرحوم	سجاد انصاری	۳۸
۱۴	یاد حسرت	〃	۳۹

نمبر شمار	عنوان	شاعر	صفحہ
۱۵	یادِ شبلی	سجاد انصاری	۴۰
۱۶	یادِ شوکت	"	۴۱
۱۷	ہدیۂ نیاز ببارگاہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا	"	۴۲
۱۸	پیامِ شوق ببارگاہ مصطفےٰ کمال پاشا	"	۴۳
۱۹	نوحہ	چکبست	۴۵
۲۰	شہدائے طرابلس	اقبال	۴۹
۲۱	مرزا غالب	"	۵۰
۲۲	بلال رضؓ	"	۵۱
۲۳	بلال رضؓ	"	۵۲
۲۴	داغ	"	۵۳
۲۵	سوامی رام تیرتھ	"	۵۴
۲۶	فاطمہ بنت عبداللہ	"	۵۶
۲۷	شبلی و حالی	"	۵۷
۲۸	والدہ مرحومہ کی یاد میں	"	"
۲۹	گرو نانک	"	۶۷
۳۰	شکسپیئر	"	"
۳۱	ہمایوں	"	۶۸
۳۲	حضرت سرور جہان آبادی	محروم	۶۹

نمبر شمار	عنوان	شاعر	صفحہ
۳۳	نوحہ وفات سرور	محروم	۷۲
۳۴	خواب جہانگیر	″	۷۴
۳۵	تاثیر بے گناہی	″	۷۶
۳۶	شریمان لالہ ہنس راج	″	۷۷
۳۷	کرشن کماری	″	۷۸
۳۸	پدمنی	″	۸۰
۳۹	مہاتما گاندھی	″	۸۱
۴۰	سوامی رام تیرتھ کی یاد میں	″	۸۲
۴۱	غازی اسلام	تاجور	۸۴
۴۲	جہانگیر اور اس کا مقبرہ	″	۹۱
۴۳	ملکہ نورجہان	″	۹۳
۴۴	آقا رضا خاں پہلوی	ظفر علیخان	۹۵
۴۵	شریمتی سروجنی نائیڈو	″	۹۶
۴۶	مجاہد ملت غازی امان اللہ خان مدظلہ العالی	″	۹۷
۴۷	ہدیہ محبت	اعجاز	۹۸
۴۸	نذر عقیدت	اختر	۱۰۱
۴۹	لوکمانیہ تلک مہاراج کی وفات	وفا	۱۰۳
۵۰	شاہ امان اللہ خاں غازی	نظیر	۱۰۵

نمبر شمار	عنوان	شاعر	صفحہ
۵۱	ہمشیر مرحومہ کی یاد میں	نظیر	۱۰۶
۵۲	شبیہ غالب	ارشد تھانوی	۱۰۸
۵۳	چند آنسو	عزیز	۱۱۰
۵۴	عقیدت کے چند پھول ظفر الملت کی خدمت میں	ایک دیرینہ نیازمند	۱۱۲
۵۵	میر - غالب - اقبال	حامد حسن	۱۱۳
۵۶	ایک مرحوم دوست کی یاد میں	فاخر	۱۱۴
۵۷	جستجوے ناکام	"	۱۱۷
۵۸	مرثیہ سی - آر دیش بندھوداس	"	۱۲۰
۵۹	ماتم داس	رشی	۱۲۴
۶۰	... کی یاد میں	حامد علیخان	۱۲۶
۶۱	مذہبوں کے پیشوا	شمیم	۱۲۷
۶۲	حافظ - خیام - اقبال	خالد	۱۲۸

اُردو مرکز لاہور



شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی

مدائح و مراثی

حصّۂ اوّل

حالی

مرثیۂ غالب

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی　　وقت کوتاہ قصّہ طولانی
عیشِ دنیا سے ہوگیا دل سرد　　دیکھ کر رنگ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال　　گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی
ہے سراسر فریب وہم و گماں　　تاجِ فغفور و تختِ خاقانی

بے حقیقت ہے شکل موجِ سراب — جام جمشید و راح ریحانی
لفظِ مہمل ہے نطق اعرابی — حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی — اک تماشا ہے حسن کنعانی
نہ کروں تشنگی میں تر لبِ خشک — چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے — گر ملے خاتمِ سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی — اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر — تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ — ہاں قسم مجکو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اسکی — صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظ وصل سے محروم — جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظ وضع سے مایوس — جس کو عادت نہ ہو گدائی کی
خندہ گل سے بے بقا تر ہے — شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کاسد سے ناروا تر ہے — خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس — آج خاقانی و سنائی کی

رشکِ عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد

بلبلِ ہند مر گیا ہیہات — جس کی تھی بات بات میں اک بات

نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس   پاک دل پاک ذات پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج   رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضموں اور اسکا ایک ٹھٹول   سو تکلف اور اوسکی سیدھی بات
دل میں چھپتا تھا وہ اگر بمثل   دن کو کہتا تھا دن اور رات کو رات
ہوگیا نقش دل پہ جو لکھا   قلم اسکا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلّی میں اسکی باتیں تھیں   لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اس کے مرنے سے مرگئی دلی   خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم   یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دل کو باتیں جب اسکی یاد آئیں   کس کی باتوں سے دلکو بہلائیں
کسکو جا کر سنائیں شعر و غزل   کس سے داد سخنوری پائیں
مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب   کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
پست مضموں ہے نوحۂ استاد   کس طرح آسماں پہ پہنچائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں   اہل میت جنازہ ٹھیرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے غالب کو   سوئے مدفن ابھی نہ لیجائیں
اسکو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح   اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم   لوگ جو چاہیں انکو ٹھیرائیں
غالب نکتہ داں سے کیا نسبت   خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت نظم غنج و دلال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر تعزیت اک ملال کی صورت
قال اسکا وہ آئینہ جس میں نظر آتی تھی حال کی صورت
اسکی توجیہ سے پکڑتی تھی شکل امکاں محال کی صورت
اسکی تاویل سے بدلتی تھی شب ہجراں وصال کی صورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا سخن اِس کا مآل کی صورت
چشم دوراں سے آج چھپتی ہے انوری و کمال کی صورت
لوح امکاں سے آج مٹتی ہے علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے غالب بیمثال کی صورت

اب نہ دنیا میں آئینگے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائینگے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
نازش خلق کا محل نہ رہا رحلت فخر روزگار ہے آج
تھا زمانے میں ایک رنگیں طبع رخصت موسم بہار ہے آج
بار احباب جو اٹھاتا تھا دوش احباب پر سوار ہے آج
تھی ہر اک بات نیشتر جسکی وہی برچھی جگر کے پار ہے آج
دل مضطر کو کون دے تسکیں ماتم یار غمگسار ہے آج
تلخی غم کبھی نہیں جاتی جان شیریں بھی ناگوار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد
کس سے خالی ہوا جہاں آباد

نقدِ معنی کا گنجداں نہ رہا — خوانِ مضموں کا میزباں نہ رہا
ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن — اب کسے اندیشۂ خزاں نہ رہا
ہوا ایک ایک کارواں سالار — کوئی سالارِ کارواں نہ رہا
رونق حسن تھا بیاں اس کا — گرم بازار گلرخاں نہ رہا
عشق کا نام اس سے روشن تھا — قیس و فرہاد کا نشاں نہ رہا
ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں — گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا
اہل ہند اب کرینگے کس پر ناز — رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا
زندہ کیونکر رہیگا نام ملوک — بادشاہونکا مدح خواں نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا — وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

اُٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن
کسکو ٹھیرائیں اب مدارِ سخن

کیا ہے جسمیں وہ مرد کار نہ تھا — اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اس نے ادا — پر کوئی اس کا حق گذار نہ تھا
بے صلہ مدح و شعر بے تحسیں — سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
نذرِ سائل تھی جان تک لیکن — درخور ہمت اقتدار نہ تھا
ملک و دولت سے بہرہ ور نہ ہوا — جان دینے پہ اختیار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی — سر بلندوں سے انکسار نہ تھا

لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
بے ریائی تھی زہد کے بدلے زہد اس کا اگر شعار نہ تھا
ایسے پیدا کہاں ہیں مست خراب ہم نے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہر شان حسن فطرت تھا
معنی لفظِ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں آج بلبل نہیں گلستاں میں
شہر سارا بنا ہے بیت حزن ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں
ملک یکسر ہوا ہے بے آئیں اک فلاطوں نہیں جو یوناں میں
ختم تھی اک زباں پہ شیرینی ڈھونڈتے کیا ہو سیب و رّماں میں
حصر تھی اک بیاں میں رنگینی کیا دھرا ہے عقیق و مرجاں میں
لب جادو بیاں ہوا خاموش گوش گل وا ہے کیوں گلستاں میں
گوش معنی شنو ہوا بے کار مرغ کیوں نعرہ زن ہے بستاں میں
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں
نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر سرمہ بنتا ہے کیوں صفاہاں میں

ماہ کامل میں آگئی ظلمت
آب حیواں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائیگا اب کون سکہ اپنا بٹھائیگا اب کون
ہمنے جانی ہے اس سے قدر سلف ان پہ ایمان لائیگا اب کون
اس نے سب کو بھلا دیا دل سے اس کو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش — وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے — جا کے دلّی سے آئیگا اب کون
مرگیا قدردان شعر و سخن — شعر ہم کو سنائیگا اب کون
مرگیا تشنۂ مذاق کلام — ہم کو گھر سے بلائیگا اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک — ہم کو چالیں بتائیگا اب کون
شعر ہیں ناتمام ہے **حالی** — غزل اس کی بنائیگا اب کون

کم لنا فیہ من بکی و عویل
و عتاب مع الزمان طویل

مرثیہ مہین برادر جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ میں بھائی کے اُسے دیکھکے چپ چپ — **حالی** سے کہا ہمنے کہ اے بحر معانی
خاموش کبھی ہمنے تجھے یوں نہیں دیکھا — کیا ہوگئی وہ تیری طبیعت کی روانی
شادی میں تری تہنتیں ہمنے سُنی ہیں — ماتم میں بھی دیکھی ہے تری مرثیہ خوانی
ہنسنا ہے نہ رونا ہے نہ بذلہ ہے نہ نوحہ — کچھ کہ تو سہی دل میں یہ کیا تونے ہے ٹھانی
دنیا ہے یہ اک دارِ فنا جس کا اثاثہ — سب خاک سے تا انجم و افلاک ہے فانی
ہو جائے گر انساں یونہیں ہر رنج میں خاموش — کس طرح دلوں کے ہوں عیاں رازِ نہانی
اک آہ بھری سُن کے یہ **حالی** نے کہ جس سے — دل ہل گئے اور سب کے لہو ہوگئے پانی
فرمایا کہ موجوں سے بھنور کی نہیں آگاہ — ساحل پہ ہیں جو راہ سپرِ فاصی و دانی

حالی ہی کو معلوم ہے حالی کی حقیقت
مشکل ہے کہ سکے دل کی عزیزونکو دکھانی

آئے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی بچھڑتے
موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کو آنی

پر بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی
غم بھائی کا مر جانے کی ہے اُسکے نشانی

جس بھائی نے بیٹوں کی طرح بھائی کو پالا
سوکھی ہوئی کھیتی میں دیا باپ کی پانی

جس بھائی کی آغوش میں ہوش اُس نے سنبھالا
جس بھائی کے سایہ میں کٹی اس کی جوانی

جینا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے
لذت نہیں جینے میں نصیب اُسکو اٹھانی

دل مُردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیزو
کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت میں روانی

باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر
ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہیں فانی

مرثیہ جناب حکیم محمود خاں مرحوم دہلوی

اے جہاں آباد۔ اے اسلام کے دار العلوم
اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم

تھے ہنرور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پر نجوم
تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھکو جہان آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم و دیں
جیسے اُمی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں

ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چیں
تھی محدث خیز اے پایتخت تیری سر زمیں

تھا تفقہ بھی مسلم تیری خاک پاک کا
بیہقی وقت تھا ایک اک فقیہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوّف میں کوئی تیرا نظیر — آب و گل تیرا تھا گویا تصوّف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہرِ منیر — تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مُستنیر

آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم — آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغِ ارم — بھرتے تھے تیرے اطبّا بھی مسیحائی کا دم

ہند میں جاری تبھی سے طبِّ یونانی ہوئی
شہر شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور — اک جہاں شیوا بیانی سے ہے اُنکی باخبر
راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر — شعر کو ہوگی نہ اس اتنی ہوائے غاتفر

حُسنِ صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد تھا
حُسنِ معنی تیرا حصّہ اے جہاں آباد تھا

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام — تھے تمدّن میں بھی پیرو تیرے جمہورِ انام
آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام — شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام

رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آ کر جو کہ تجھ میں چند سال — ڈھل گئے سانچے میں گویا اسکے عادات اور خصال
آ کے بن جاتا تھا یہاں نقصانِ انساں کا کمال — تیرے پرچھاویں سے موتی بنکے جاتے تھے سفال

آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یہاں

چاروں میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یہاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم میں مرجع اور مآب　آن کر لیتے تھے یہاں ٹھیکی جہانکے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آ آ کے تجھ میں شیخ و شاب　کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

جمگھٹا تھا تجھ میں ترک و رُوس و رُوم و زنگ کا

دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوراں کا ہے جیسے اقتضا　ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا　وقت اے جانِ جہاں تیرا بھی آخر آ لگا

تجھ پہ اے دار الخلافت انقلاب آنے لگے

غیب سے تجھکو تباہی کے خطاب آنے لگے

ہو گئے تیرے مُحدّث راہیِ دار السلام　کر گئے دنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام　رفتہ رفتہ ہو گئی سب صباحی تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر ایواں ہوئے

خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویراں ہوئے

چل دئے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب　مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب　اس گلستاں سے نہ اٹھی پھر صدائے عندلیب

جنکو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہیں پایا نہ پھر

جو گیا۔ اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر　گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاجِ شرف سے تیرے سب لعل و گُہر　تجھکو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ
اے گل پژمردہ تیری کہاں ہوئی بو باس وہ

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دئے
واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دئے
کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دئے

چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا
چاردن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

جا چکی تھی تجھسے گو اے شہر عظمت قوم کی
ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی
اُٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائیگا خلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کریگا اے جہاں آباد تو

وضعداری میں نہ تھا اُس کا زمانے میں بدل
وضع میں اسکی تغیر تھا نہ عادت میں خلل
وقت کی تاثیر کا اُس پہ نہ چلتا تھا عمل
انقلاب دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل

اُسکے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

کی تھی جو بچپن سے طرز زندگانی اختیار
اسمیں فرق آیا نہ وقت واپسیں تک زینہار
کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار
وضع اسکی۔ جو کہ تھی وضع سلف کی یادگار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہد عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دنیا کے علائق کا تھا گو بار گراں
پر ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی رہتی تھی جاں

پا بگل دنیا میں ۔ پر دنیا کے غم سے برکراں
رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادماں

ظاہرا پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اُسکو نہ مکروہات میں پایا کبھی
غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی

دل کسی بادِ مخالف سے نہ کملایا کبھی
تلخیِ دوراں سے جبیں پر نہ میل آیا کبھی

کی بسر دارالمحن میں بزمِ عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخِ دنیا میں جنت کی طرح

اب یہ کیا پہنچی ہے ہم میں نوبت قحط الرجال
ایک اُٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال

دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اسکی مثال
ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے مثال

ظاہرا اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی
تھیں سخنور کیلئے چار و طرف راہیں کھلی

داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی
اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غزلیں لکھکے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھکے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر ملا ہمکو مجال نغمہ اس محفل میں کم
راگنی نے مفت کی لینے دیا ہم کو نہ دم

نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم
کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم

سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

آردو مرکز لاهور



علامه شبلی نعمانی

شبلی

بربادیٔ خانماں

وہ برادر کہ مرا یوسفِ کنعانی تھا
وہ کہ مجموعۂ ہر خوبیٔ انسانی تھا
وہ کہ گھر بھر کے لیے رحمتِ یزدانی تھا
قوتِ دست و دلِ شبلیٔ نعمانی تھا
جوش اُسی کا تھا جو میرے سرِ پرشور میں تھا
بَل اُسی کا یہ مرے خامۂ پرزور میں تھا
ہم سے بیکاروں کی اک قوتِ عامل تھا وہی
مایۂ عزتِ اجداد کا حامل تھا وہی
مسندِ والدِ مرحوم کے قابل تھا وہی
یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں
ہائے افسوس میں اسحاق کہاں سے لاؤں
جب گیا والدِ مرحوم نے دنیا سے سفر
گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ صد گونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت میں سپر
تیر جو آئے گیا آپ وہ ان کی زد پر
خود گرفتار رہا تاکہ میں آزاد رہوں
اُس نے غم اسلئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں
اس کا صدقہ تھا کہ ہر طرح سے تھا میں بے غم
گھر کے جھگڑوں سے نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج و الم
امن و راحت کے جو ساماں تھے ہر طرح بہم
میں تھا اور مشغلۂ نامہ و قرطاس و قلم
اُسکے صدقے سے تھی میری سخن آرائی بھی
اُس کا ممنون تھا مرا گوشۂ تنہائی بھی
تازہ تھا دل پہ مرے مہدیٔ مرحوم کا داغ
کہ مرا قوتِ بازو تھا مرا چشم و چراغ

اُس کو جنت میں جو خالق نے دیا گنجِ فراغ — میں یہ کہتا تھا کہ اب بھی تر و تازہ ہے یہ باغ
یعنی وہ آئینۂ خوبی و اخلاق تو ہے! — اُٹھ گیا مہدیِ مرحوم تو اسحٰق تو ہے
آج افسوس کہ وہ نیّرِ تاباں بھی گیا — میری جمعیتِ خاطر کا وہ ساماں بھی گیا
اب وہ شیرازۂ اوراقِ پریشاں بھی گیا — عُتبۂ والدِ مرحوم کا درباں بھی گیا
گلۂ خوبیِ تقدیر رہا جاتا ہے — نوجواں جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہے
تجھکو اے خاکِ لحد آج اجل نے سونپی — وہ امانت جو مرے والدِ مرحوم کی تھی
بسکہ فطرت میں ودیعت تھی نفاست طلبی — ناز پروردۂ نعمت تھا بہ ایں سادہ وشی
دیکھنا اُڑ کے غبار آئے نہ دامن پہ کہیں — گرد پڑ جائے نہ اس عارضِ روشن پہ کہیں
اسکے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دلمیں ہر بار — وہ شکر ریز تبسم وہ متانت وہ وقار
وہ وفاکیشیِ احباب وہ مردانہ شعار — وہ دل آویزیِ خو، وہ نگہِ اُلفتِ یار
صحبتِ رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی — اُسکی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی
حق نے کی تھی کرم و لطف سے اس کی تخمیر — خوبیِ خلق و تواضع میں تھا اُس کا نظیر
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر — اُس کی اک ذات تھی مجموعۂ اوصافِ کثیر
بسکہ خوش طبع تھا وہ صاحبِ تدبیر بھی تھا — سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا
اسکو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا — وہ گرفتارِ کمندِ ہوسِ خام نہ تھا
اس کو مطلوب کبھی گرمیِ بازار نہ تھی — اسکی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی
اُسکو معلوم جو تھا وسعتِ تعلیم کا راز — اُس نے دیکھے تھے جو زمانے کے نشیب اور فراز
اُس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز — مگر افسوس کہ تھا راہ میں رخشِ تگ و تاز
کوششوں کے جو نتیجے تھے اُسے مل نہ سکے — ہائے وہ پھول کہ پھولے تھے مگر کھل نہ سکے

آہ بھائی ترے مرنے کے تھے یہ بھی کوئی دن
وہ ترا اوجِ شباب اور وہ بچے کمسن

مسندِ حلقۂ احباب ہے سونی تجھ بن
تو ہی تھا اب خلفِ صدر نشینانِ سخن

دن جب آئے کہ تجھے زیبِ جمہور کہوں
چرخ اب مجھ سے یہ کہتا ہے کہ مغفور کہوں

یہ بھی اے جانِ برادر کوئی جانے کا ہے طور
اپنے بچوں کی نہ کچھ فکر نہ تدبیر نہ غور

ابھی آنے بھی نہ پایا تھا ترے اوج کا دور
کیا ہوا تجھکو کہ تو ہو گیا کچھ اور سے اور

چھوڑ کر بچوں کو بے صبر و سکوں جاتا ہے
کوئی جاتا ہے جو دنیا سے تو یوں جاتا ہے

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھ کو تمیز
تیری نظروں میں برابر ہے گہر اور پشیز

بس نہ مانا ترے نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز
رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی اس نے عزیز

لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اسکے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلیِ دل خستہ بایں موے سفید
لیکے آیا ہے تری درگہِ عالی میں امید

مرنے والے کو نجاتِ ابدی کی ہو نوید
خوش و خرم رہے چھوٹا یہ مرا بھائی جنید

کیا لکھوں قصۂ غم تابِ رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پر زور میں دم بھی تو نہیں

نالۂ شبلی بر وفاتِ برادرِ خرد مولوی محمد اسحٰق صاحب مرحوم وکیل ہائیکورٹ الہ آباد

(۱)

وہ بھی تھا اکدن کہ یہ وحشت سرائے دل
اک محشرِ نشاط و وفورِ سرور تھا

رنگینیِ خیال سے لبریز تھا دماغ
جو شعر تھا چراغِ شبستانِ حور تھا

سینہ میں تھا چمن کدۂ صد اُمید نو
آنکھوں میں جوشِ بادۂ نازو غرور تھا

اِک ایک برگ تھا ورقِ نوبہارِ حسن
ذرّوں کے رُخ پہ صبحِ سعادت کا نور تھا

۲

نظر آتا نہیں اب صبر کا پہلو مجھ کو
کام دیتے نہیں کچھ قوتِ بازو مجھ کو

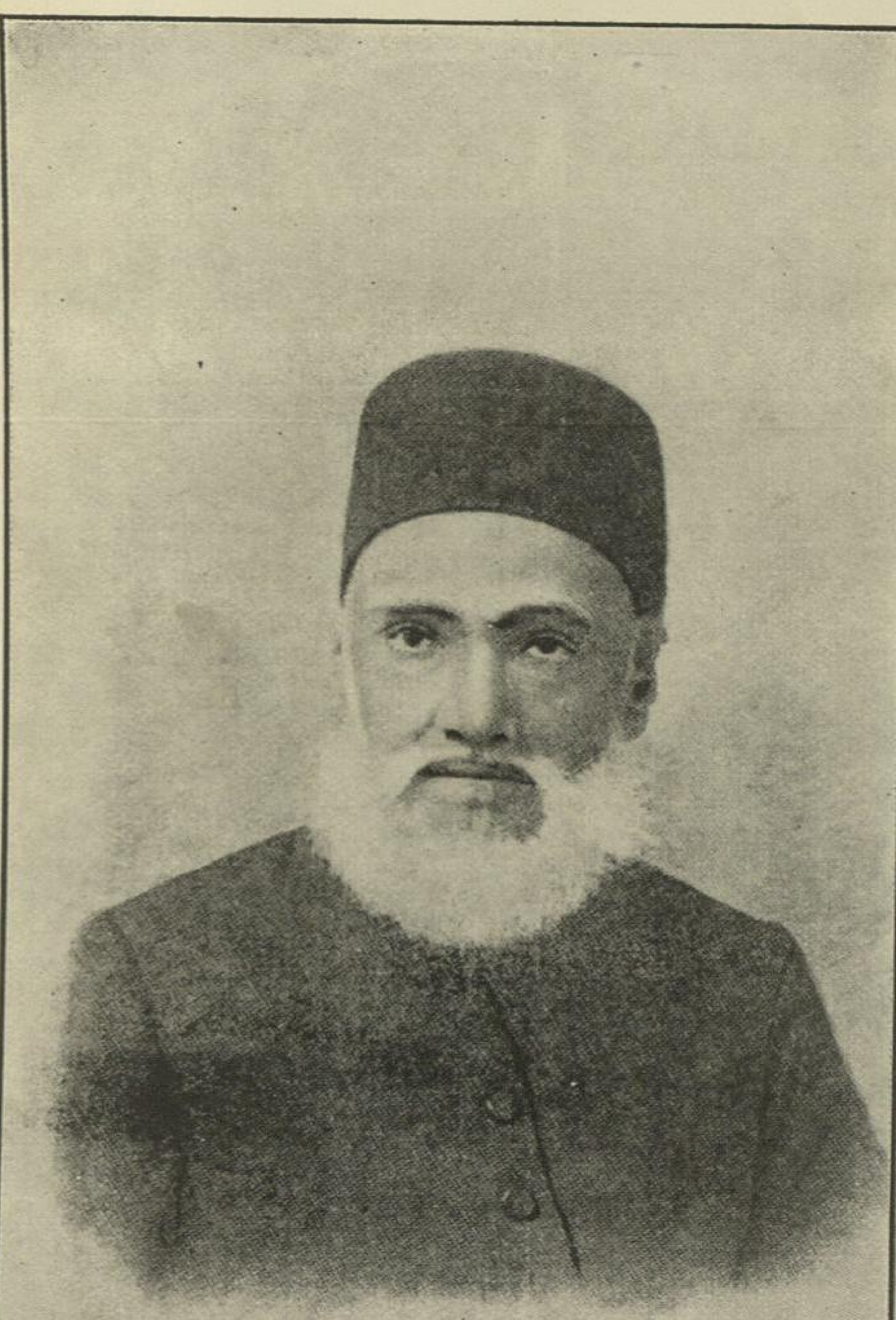
شہر ویرانہ نظر آتا ہے ہر سو مجھ کو
ہائے افسوس کہاں چھوڑ گیا تو مجھ کو

جب وہ گنجینۂ اُمید و تمنّا نہ رہا
ایک بیکار زمانہ میں رہا یا نہ رہا

انتقالِ پدرِ پیر بھی دیکھا میں نے
ماتمِ مادرِ دلگیر بھی دیکھا میں نے

صدمۂ رحلتِ ہمشیر بھی دیکھا میں نے
دو برادر کو جواں میر بھی دیکھا میں نے

یہ نمائش کدۂ داغِ عزیزاں تو نہیں
میرا سینہ ہے الٰہی یہ چراغاں تو نہیں!



مولینا محمد اسمٰعیل میرٹھی

اسمٰعیلؑ

نالۂ چندے در فراقِ شیخ

۱

اے شاہِ یگانۂ زمانہ　　اے بحرِ محیطِ بے کرانہ
کیوں اہلِ نیاز کے سروں سے　　خالی ہے یہ سنگِ آستانہ
وہ محفلِ اُنس اب کدھر ہے　　یارب ہے کہاں وہ کارخانہ
وہ بزم نہ وہ جمالِ ساقی　　وہ جام نہ وہ مئے مغانہ
وہ طور ہے اب نہ وہ تجلّی　　وہ وقت ہے اب نہ وہ زمانہ
کیا ہو گیا؟ جلوۂ سحرگاہ　　کیا ہو گئی؟ صحبتِ شبانہ
ہے دل میں ابھی وہی تصوّر　　ہے یاد ہنوز وہ فسانہ
وہ فصل نہ وہ بہارِ باقی　　وہ گل نہ چمن نہ آشیانہ
رہتی ہے اُچاٹ سی طبیعت　　ملتا ہی نہیں کہیں ٹھکانہ
جاں حسرتِ دید میں طپاں ہے　　دل تیرِ فراق کا نشانہ
ساحل پہ پڑے ہیں سب مسافر　　کشتی ہوئی کس طرف روانہ

(۲)

اے کعبۂ خاص و قبلۂ عام تھی تیری گلی مقامِ احرام
تھا مامنِ جاں حریمِ اقدس آغاز کا غم نہ خوفِ انجام
سب محو تھے ظلِّ عاطفت میں خطرات و خیال فکر و اوہام
اُس بحرِ محیط میں تھے سب گم نیکی و بدی و کفر و اسلام
پُرشور تھے بے لب و دہاں ہم سرمست بدون بادہ و جام
مشغولِ جمال بے سر و چشم مصروفِ سفر بغیرِ اقدام
دریا ہوا اِک عطا سے قطرہ پختہ ہوا اک نگاہ سے خام
کیخسرو و کیقباد سے بھی تھے بخت بلند تیرے خدام
دیکھا اب ہجر چار ناچار دیکھی فرقت بھی کام ناکام

(۳)

ہوتی ہے جہاں میں کم کوئی ذات بے علت و نسبت و اضافات
خورشید تھا وہ وجودِ باجود دریا تھی وہ ذات فیض آیات
دیرینہ نہنگ بحرِ توحید مردانہ قلندرِ خراباتؔ
سلطانِ جہان ترک و تجرید شہباز معارفِ نہایات
نے میلِ مراتب و مدارج نے رغبتِ کشف نے کرامات
ملتی تھی مراد طالبوں کو اُس در سے بدونِ عرضِ حاجات
اُس بات کی ہو گئی گرہ وا دل میں بھی نہ تھی ہنوز جو بات
خلوت میں ترا جمال مفتاح جلوت میں ترا کلام مشکوٰۃ

کیا تھی؟ وہ نظر سحابِ رحمت　　کیا تھا؟ وہ زمانہ فصلِ برسات
وہ وقت نہ وہ زمانہ افسوس　　وہ لطف نہ وہ بہار ہیہات
اِک آن کی آن تھی حضوری　　اِک بات کی بات تھی ملاقات

(۴)

اے! بحرِ حقیقتِ خدائی　　اے! جلوۂ شانِ کبریائی
باقی نہیں کوئی مشغلہ اب　　رندی ہی رہی نہ پارسائی
شاہی کا نہیں خیال سر میں　　جی میں نہیں حسرتِ گدائی
نے بندِ قفس نے شوقِ پرواز　　باقی ہے نہ قید نے رہائی
نے حرص و ہوا نہ کچھ توکّل　　نے برگ و نوا نہ بے نوائی
نے فکرِ قصیدہ ہائے عطّار　　نے ذکرِ حدیقۂ سنائی
نے قربِ نوافل و فرائض　　نے تنگ دلی نہ دلکشائی
لیکن نہ مٹا غبارِ فرقت　　ہر چند کہ طاقت آزمائی
مشکل ہوا کاٹنا دنوں کا　　دشوار ہوئی تری جدائی
دِل سینہ میں ہے کہ برقِ بیتاب　　اندوہ کی اِک گھٹا ہے چھائی

(۵)

اے قبلۂ عالمِ معانی　　سلطانِ جہانِ بے نشانی
اے! بحرِ معارف و حقائق　　شاہنشہِ ملکِ جاودانی
آگاہِ مقاصدِ بُرونی　　دانائے خواطرِ نہانی
یک رنگ و یگانہ و یک آہنگ　　بے فرقِ مکانی و زمانی

خصلت میں عجیب دلنوازی
عادت میں کمال مہربانی
تھی آپ پہ ختم بذلہ سنجی
تھی آپ پہ ختم نکتہ دانی
باتوں میں طریق دلکشائی
لفظوں میں ادائے خوش بیانی
تھے گوہر قدس وہ اشارات
اور غیب سے تھی وہ دُرفشانی
القصّہ وہ احسن القصص تھی
جو بات سُنی تری زبانی
آیا نہ پسندیاں کا رہنا
برباد ہو یہ سرائے فانی
جو کچھ گزرا سو تھا فسانہ
جو کچھ دیکھا سو تھی کہانی

(۶)

اے بحرِ کرم محیطِ نایاب
لب تشنہ ہیں ماہیانِ بے آب
اے نوح سفینۂ مسرت
طوفاں زدہ ہیں ہم تمام اصحاب
پانی پت تھا بقا کا چشمہ
اب کیا ہے غم و الم کا گرداب
روتے ہیں یہاں کے سب در و بام
حوض و حجرہ و ستون و محراب
آتے تھے مدام تیرے مہماں
بنگالہ سے لے کے تا بہ پنجاب
جلوہ تھا یہ تیرے دم قدم کا
اب کیا ہے کہ مجتمع ہوں احباب
وحشت زدہ پھرتا ہے غلامی
اور غم زدہ مضطرب ہے نوّاب
ملفوظ مبارک و گرامی
ہے زندگی حسن کا اسباب
ساحل ہے کہیں نہ تھل نہ بیڑا
سب بحرِ فراق میں ہیں غرقاب
افسوس ہوا نظر سے پنہاں
وہ شمسِ منوّر جہاں تاب

اے مُلکِ بقا کے جانے والو   کہہ دیجیو بعد عرض آداب

ہے جوش میں ہجر کا سمندر
یا غوث علی شہِ قلندر

نادر

ایک مرحوم دوست کی تصویر

موت! اک داغ اور دیگئی تو — جان تصویر کی بھی لے گئی تو
اُن لبوں پر ہنسی خوشی نہ رہی — آہ اب اُن میں تازگی نہ رہی
ہیں سبک دوش بارِ گویائی — اک خموشی ہزار گویائی
اس کی خاموشی کا یہ باعث ہے — یہ تماشائی حوادث ہے
شورِ ہنگامۂ جہانِ خراب — زورِ طوفان و کشتیٔ غرقاب
ہاؤ ہوے ولادت و اموات — اژدہامِ جنازہ و بارات
خلق ہنگامہ جو مچاے ہے — اس پہ کان اپنے یہ لگائے ہے
چھوڑ کر محفلِ خود آرائی — اب ہے دیوار سے تماشائی
کرچکی ختم عمر بھر کا کام — دیکھ لیتی ہے صرف گھر کا کام

ٹھیک جس طرح کرمکِ ریشم — توڑ کر تار و پودِ ابریشم
بنکے تتلی ہوا میں اڑتا ہے — عالمِ پُر فضا میں اڑتا ہے
پھر پھر آتا ہے وہ ببولوں پر — بیٹھ جاتا ہے آکے پھولوں پر

یوں ہی تنگ آ کے روحِ انسانی چھوڑ کر اپنا قالبِ فانی
حور بنتی ہے باغِ رضواں کی شمع بنتی ہے بزمِ امکاں کی
آتی ہے قدسیوں کی محفل میں بیٹھی جاتی ہے آنکھ میں دل میں
کس ادا سے بنی ہوئی ہے مکیں سرِ دیوار شکلِ پرمنت کیں
وہی کھوج اور جستجو ہے وہی جھانکنے تاکنے کی خو ہے وہی
شوخیِ چشمِ فتنہ زا نہ گئی مرنے والے تری ادا نہ گئی
دیکھنے میں ہے اسکے کتنا سرور چشمِ نظّارہ ساز ہے مخمور
شیشہ مے ہے شیشہ تصویر چاٹتی ہے نگہ مے تصویر
دیکھنے والی کی نظر کو دیکھ رونیوالے کی چشمِ تر کو دیکھ

آنکھ میں ہے ٹپک رہا ہے آن
بادۂ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان

سُرور

لالہ لاجپت رائے

اے شہیدِ ہمتِ مردانۂ ایثارِ نفس اے فنا فی القوم! اے پروانۂ ایثارِ نفس
آہ! اے جرعہ کشِ پیمانۂ ایثارِ نفس تو کہاں ہے اے چراغِ خانۂ ایثارِ نفس

تیرے غم میں آہ! اے بانداوہ سوزِ نہاں
ہیں بہ رنگِ برقِ مضطر تیرے پروانے تپاں

اے محبِّ قوم! اے سرمایۂ جانِ وطن مرحبا! اے نازشِ اجزائے ارکانِ وطن
حبّذا! اے جلوہ افروزِ شبستانِ وطن آفریں صد آفریں! اے جوہرِ کانِ وطن

ہو کے طوفاں میں اسیرِ حلقۂ گرداب تو
بن کے چمکا تاجِ شہرت کا دُرِ نایاب تو

ہم نے یہ مانا کہ اب تصویرِ حیرانی ہے تو نقشِ حسرت ہے سراپا دردِ پنہانی ہے تو
جُرمِ اُلفت میں اسیرِ قیدِ سلطانی ہے تو جانِ بر تاجِ تمنّا ہے ابھی گو زندانی ہے تو

اے حبیبِ مُلک! تو اب بھی فنا داروں نہیں ہے
دولتِ برطانیہ کے اب بھی غمخوار و نہیں ہے



حضرت سرور جہان آبادی

راست گو تھا تو خوشامد تیری عادت میں نہ تھی
صلح کل تھا فتنہ پردازی طبیعت میں نہ تھی

شورش انگیزی ازل سے تیری خلقت میں نہ تھی
آہ او دادِ جانفروشی تیری قسمت میں نہ تھی

تو وہ بلبل تھا کہ تھا صیاد تیری تاک میں
تو وہ آہو تھا کہ تھی تیری جگہ فتراک میں

روٹھی رانی

اے زمین کیلوہ! اے رشکِ عرشِ برین
خاک میں پنہاں ہے تیری کون یہ ماہِ مبیں

عطر افشاں کس کی چوٹی کے ہے پھولوں سے مشام!
بھینی بھینی ہے ہوا میں بوئے زلفِ عنبریں

کس ستی کی یہ زیارت گاہ ہے! او آسماں
اُٹھ رہے ہیں جس سے اب تک شعلہ ہائے آتشیں

مرحبا اے شمع عصمت خانۂ ناموسِ حُسن
آفریں! اے کشتۂ سوزِ وفا! صد آفریں

تیرے دامن تک نہ پہنچا دستِ دامنگیرِ شوق
تیرے چہرے سے اُٹھا پردہ نہ اے پردہ نشیں

تو وہ ستونتی تھی اے پروردۂ دامانِ حسن
بنکے ٹوٹا شیشۂ ہستی ترا پیمانِ حُسن

ننگ و ناموس وفا کی او مبارک یادگار
لاکھ جانیں پاک دیوی! تیری عصمت پر نثار
اے قتیلِ عشق! اے جاں دادۂ سوزِ وفا
تیرے خاکستر میں ابتک آہ! باقی ہیں شرار
ہیں تری تقدیس کے اب تک زباں پر زمزمے
حوریں ابتک آکے کرتی ہیں ترا طوفِ مزار
آہ! اے سچّی ستی! اے زندۂ جاوید عشق
تیری شہرت کے نشاں ہیں آہ! ابتک یادگار
آتی ہے ابتک زیارت کو تری خلقِ خدا
جمع ہوتے ہیں پرستش کو تری اہلِ دیار
اب بھی تیری خاک پر اے لعبتِ رنگیں ادا!
بھینی بھینی پڑ رہی ہے ابرِ رحمت کی پھہار
تو لئے جاتی تو ہے یہ ہے اُما نازک مزاج
بارِ خاطر ہوں نہ او بادِ صبا! پھولوں کے ہار
منہ چھپا کر نازنیں پھولوں کی چادر میں ابھی
سوگئی ہے روٹھ کر آغوشِ شوہر میں ابھی

نوحۂ وفات شمس العلما آزاد مرحوم

تو کہاں ہے آہ! اب او نازشِ بزمِ سخن
محشرستانِ عزاداری ہے تیری انجمن

تیرے غم میں تیرے دیوانے ہیں سرگرم تپش
بجھ گئی شمع، اور پروانے ہیں سرگرم تپش

چھپ گیا کیا آہ، تو اے نیّرِ اوجِ کمال
شامِ غم کا ہے سیہ خانہ تری بزمِ خیال

تیری محفل میں کہاں اب وہ چراغِ آرزو
اب نظر آتا ہے اک دھندلا سا داغِ آرزو

اب کہاں دلی کی گلیاں اب کہاں جوشِ جنوں
اب کہاں زلفِ پریشاں وشِ بردوشِ جنوں

اب کہاں وہ صحبتِ احباب سے بیگانگی
نازشِ فرزانگی اب وہ کہاں دیوانگی

تیری آشفتہ بیانی کا وہ اب عالم کہاں
شاہدِ مضموں کے وہ گیسوئے برہم کہاں

سازِ ہستی اب ہے تیرا بے صدا زیرِ زمیں
تیرے ماتم میں ہے اک محشر بپا زیرِ زمیں

پُرزے پُرزے ہے لحد میں اب گریبانِ کفن

پنجۂ وحشت سے ہے صد چاک داماںِ کفن
کچھ عجب دلکش ہے اب انداز تیرے خواب کا
گوشۂ مرقد ہے گہوارہ دلِ بیتاب کا

مرحبا اے دانش آموزِ دبستانِ ادب
تو وہ دیوانہ تھا جس کو تجھ سے تھی شانِ ادب
ایسے دیوانے کہاں پیدا ہیں اب روشن دماغ
ہو گئی مرنے سے تیرے بزم دہلی بے چراغ
اک ترے دم سے تھی قائم شانِ معراجِ سخن
آسماں رکھیگا کس کے سر پہ اب تاجِ سخن
چٹکیاں پہلو میں لے گا کس کا اندازِ بیاں
کس کی باتیں اب چبھیں گی دل میں ہنکر برچھیاں
دل کو برمائے گی کس کی نوکِ مژگاں کی خلش
کچھ عجب لذت فزا تھی تیرے پیکاں کی خلش
آہ! یوں کھینچے گا نظم و نثر کی تصویر کون
اپنے دیوانوں کو پہنائیگا اب زنجیر کون

اجڑی ہوئی دلہن

او! عروسِ مہ لقا! او! شاہدِ ماتم نشیں
آہ! او! رنگیں ادا! او! دِلّی والی نازنیں
یاد آیا ہے کہ تھی تیری جوانی جوش پر
چٹکیاں لیتی تھی دل میں ہر ادائے دلنشیں
ہائے وہ راتیں کہ تھی تو شمعِ بزمِ آرزو
تیرے پروانے تھے ہم اے غیرتِ ماہِ مبیں
ہائے وہ دن - دل کو تھی جب حسرتِ ذوقِ خلش
نوکِ نشتر تھی رگِ جاں میں تری چینِ جبیں
جلوہ گر تھی ہر مرقع میں تری تصویرِ حسن
محفلِ ہستی میں تھی تو نقشِ نازِ دلنشیں
تا کمر لٹکی ہوئی وہ آہ! جعدِ خم بخم
اُلجھی سُلجھی دوش پر بکھری وہ زلفِ عنبریں
آہ! وہ عشوہ گری - وہ گردشِ چشمِ سیاہ
ہائے! وہ شرمیلی چتون - وہ نگاہِ شرمگیں
قدِ موزوں پر شکن کے وہ دوپٹے کی پھبن
سرو پہ پھیلی ہوئی گویا تھی شاخِ یاسمیں

ابھرے سینے پہ وہ آغازِ جوانی کے نشاں
نازبو کے پھول اور۔ وہ عطرِ صندل کی زمیں
وہ تبسم ہائے شیریں وہ ادائے جاں نواز
وہ لب شکر شکن شکر فروش و شکریں
دوشِ نازک پہ دوپٹے کا وہ آنچل سُرخ سُرخ
ہلکی ہلکی آہ! وہ رُخ پر نقابِ ریشمیں
قد میں شوخی جسم میں رعنائی بھری تھی کوٹ کر
آنکھ میں نظارۂ قاتل لب میں قندِ انگبیں
قیسِ آشفتہ تھی اک خلقِ خدا تیرے لئے
ہائے! وہ راتیں کہ تھی تو لیلیٰ محمل نشیں
ہائے! وہ طفلی کا عالم اور وہ جوشِ شباب
بھولی بھولی! اُف! وہ صورت۔ وہ نگاہِ شرمگیں
آہ! وہ بوٹا سا قد۔ وہ ننھّی ننھّی انگلیاں
آہ وہ تیسری لڑکپن کی ادائے نازنیں
ماں کی لوری جنبشِ موجِ تکلّم تھی تجھے
اور شمیم جانفزائے خلد تھی خواب آفریں
پھول جھڑتے تھے لبِ رنگیں سے یوں وقتِ کلام
گل بداماں ہو چمن میں جیسے صبح یاسمیں
سر پہ طرّہ نظم کا تھا فرق پر تاجِ سخن

نطق کے پھولوں کا جھومر زیبِ آغوشِ جبیں
آسمانِ ناز سے عالمِ قمر بہی کے لئے
بن کے اُتری تھی مگر تو حورِ فردوسِ بریں
تیرا اسکا نظارہ اں اے شاہزادیٔ چار سُو
یاد ایام کہ دِلّی تھی تیرے زیرِ نگیں
لیکن اب تجھ میں کہاں وہ جلوۂ شانِ غیور
جھڑ گئے سب آہ! تیرے تاجِ شہرت کے نگیں
چھا رہی ہے اب اُداسی آسمانِ حُسن پر
اب نہ وہ تاروں کا جھرمٹ ہے نہ وہ ماہ مبیں
تیری آنکھوں میں کہاں اب مستیٔ حسن شباب
تیرے شیشوں میں کہاں اب وہ شرابِ آتشیں
اب کہاں وہ ذوقِ صہبائے سخن۔ وہ بزمِ مے
اب کہاں وہ مجمعِ رندانِ میخانہ نشیں
اب ہوا میں ہے پریشاں تیرے پروانوں کی خاک
تیرے دیوانے ہیں اب شہرِ خموشاں کے مکیں
اب کہاں اگلی سی وہ کاشانہ افروزی کہ ہے
چشمِ حسرت حلقۂ دَر نقشِ عبرت آشنا نشیں
جن کے دامن میں پلی تھی آہ! تو اے مدعا
اب وہ انجم خوابِ آسائش میں ہیں زیرِ زمیں

گوشِ عبرت میں مزارِ خفتگانِ خاک سے
آ رہی ہے دھیمی دھیمی آہ و فریادِ حزیں
بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

نذیر احمدؒ

سرسیّد احمدؒ خان

اللہ اللہ کیا غضب ہے اِنقلابِ روزگار
یعنی وہ اسلام جو تھا منبعِ عزّ و وقار
جس کے پیرو تھے مجاہد ہیں مقدّم پیش پیش
سب میں افضل سب پہ فائق سب سے بہتر کامگار
وادریغا اب وہی اسلام ہے جن کے خواص
ہیں عوام النّاس کی نظروں میں بے توقیر و خوار
عالمِ اسباب ہے دنیا۔ نہیں اس میں کلام
بے سبب ہرگز نیاید ہیچ شے بر روے کار
پس مسلمانوں کی اس تغیرِ حالت کا سبب
کچھ تو ہے آخر سمجھتا ہے اسے ہر ہوشیار
بعد تعیینِ سبب پھر سوچنا یہ ہے کہ ہے
اس سبب پر ہم کو تھوڑا یا بہت کچھ اختیار

یا ہمارے نیک و بد میں ہم کو مدخل کچھ نہیں
جو ہوا جو ہو گا سب کا ہے مقدر پر مدار
بس یہ دو باتیں ہیں جن پر سیّد احمد صاف صاف
خلوت و جلوت میں در پردہ بظاہر آشکار
جب تلک جیتا رہا کہتا رہا ایک ایک سے
لیک سر پر قوم کے جن تھا جہالت کا سوار
ایسی باتوں سے نہ تھے کان ان کے مطلق آشنا
سُنتے ہی نکلیں تعصّب کی بھڑیں سب ایک بار
کچکچا کر ڈنک ایسے زور سے مارے کہ چھید
ہو گئے سینے کے دل کے اور جگر کے آر پار
کفر کے فتوے لکھے جانے لگے بالاتفاق
دھمکیوں اور گالیوں کا ہو گیا مشکل شمار
دفعتاً اسلامیوں میں کھلبلی سی مچ گئی
آگ سی اک لگ گئی پنجاب سے لے تا بہار
دیکھ کر سیّد یہ اعدا کا بایں کثرت ہجوم
پھر گئی آنکھوں میں اپنے کربلا کی کارزار
پر وہ نانا کا تھا اپنے واقعی خلفِ رشید
درد سے اُمّت کے ہر دم مضطرب اور بیقرار
آخری دم تک وہ اپنی بات پر قائم رہا

تھی وفا اُس کی سرشت اور عہد اُس کا استوار
اُس کو اپنی رائے پر تھا کامل اور محکم وثوق
کامیابی اس کو ہونی تھی۔ ہوئی انجام کار
اُس نے ثابت کر دکھایا روزِ روشن کی طرح
یہ کہ اب تعلیم پر بہبود کا ہے انحصار
علم دولت علم حشمت علم طاقت علم زور
علم لشکر علم خنجر علم تیغ آب دار
علم ہے فوز و فلاح و دین و دنیا کا کفیل
علم ہے تہذیب اور شائستگی کا ذمہ دار
علم ہی ہے صیقلِ آئینۂ فہم و ذکا
علم ہی ہے گلشن اقبال ہندی کی بہار
ہائے وہ سارے مسلمانوں کا سچّا خیر خواہ
ہائے وہ سارے مسلمانوں کا یکتا دوست دار
ہائے وہ ہم سے مریضوں کا طبیبِ دردمند
ہائے وہ ہم سے ضعیفوں کا رفیق غمگسار
ہائے وہ جو تھا غمِ اسلام سے ہر دم ملول
ہائے وہ جو درد سے تھا قوم کے سینہ فگار
ہائے وہ جو تھا رعایا کا وکیلِ موتمن
ہائے وہ سرکار میں تھا جس کا پورا اعتبار

اس نے دیکھا وقت نکلا جا رہا ہے ہاتھ سے
اور نہیں ہے قوم کو احساس اس کا زینہار
سب کے سب مستِ مئے پندار ہیں پیر و جواں
احمقوں کو مہدیِ موعود کا ہے انتظار
یہ سمجھتے ہیں کہ ہے بیمار اچھا تندرست
اور مریضِ جاں بلب ہے مبتلائے احتضار
کچھ نہیں کرتے نہ کرنا چاہتے ہیں چاؤ سے
چھوڑ بیٹھے ہیں مقدر پر سب اپنا کاروبار
کوئی جوتے کوئی بوئے کوئی پیسے اور پکائے
یہ نگل لیں تھوڑ لیں چپ چاپ کر لیں زہر مار
فخر کرتے ہیں بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
جیسے ہو سرگین کو نازِ گیاہِ سبزہ زار
سارے الزاموں کی مذہب کو بناتے ہیں سپر
کرتے ہیں اسلام کو بدنام ناحق نابکار
اِس عمومِ گمرہی میں سید احمد کا ظہور
تھا بظاہر الغاشِ رحمتِ پروردگار

اکبر

مرثیہ محمود

نہ وہ بک رہ گئے نہ سر سیّد
دلِ احباب سے نکلتی ہے آہ

ذاتِ محمود سے تسلّی تھی
لی انھوں نے بھی آج خلد کی راہ

بولی عبرت کہ ہوش ہیں آؤ
اے حریصانِ شان و شوکت و جاہ

مٹ گیا نقش احمد و محمود
رہ گیا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

بر وفات سر سیّد مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سیّد کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے ہیں

کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

سجّاد انصاری

یاد ولایتؔ مرحوم

اے پیکر انبساط ہستی — تو معنی حسن نسیم جاں تھا
اک صبح امید کی جھلک تھی — اک حرفِ پیام آسماں تھا
سیماب نشاط تھا سراپا — دیوانۂ عیش کامراں تھا
تھیں دل میں بہار کی فضائیں — گو سامنے منظرِ خزاں تھا
الفاظ ہیں بذلہ سنجیوں سے — اک سحرِ تجلی بیاں تھا
تیرے اندازِ گفتگو میں — اک محشرِ حسنِ داستاں تھا
تحریر کی دلفریبیوں میں — افسونِ بہارِ بوستاں تھا
اللہ رے مذاق نکتہ سنجی — گویا شاعر کا راز داں تھا
اک انجمن صفات تھا تو — حسنِ فطرت کی چیستاں تھا
حریت صدق آشنا کا — سیمائے غیور پر نشاں تھا
کیونکر کرتا تو جبہ سائی — بیگانہ رسمِ آستاں تھا
خودداری بے نیاز میں بھی — اک عالم بیخودی نہاں تھا

اخلاص میں خاکساریوں میں
افسانۂ دردِ پاستاں تھا

یادِ حسرت

اے وہ کہ کرچکا ہے برسوں
زندانِ ستم کی میہمانی

صدقِ بیباک کا فسانہ
ایثارِ خموش کی کہانی

آئینۂ بیخودی کا جوہر
موجِ اخلاص کی روانی

ہستی شکن طلسمِ باطل
اک نغمہ سازِ آسمانی

حسنِ تخئیل کا سراپا
ہنگامۂ رنگِ بوستانی

افسانہ نگارِ ہستیِ دل
آرائشِ عالمِ معانی

اک محشرِ اضطرابِ خاموش
اللہ رہی تیری بے زبانی

ملت کو سکھادیا ہے تو نے
آئینِ خلوصِ پاستانی

تیری کوشش کی ہر خزاں ہے
اک نازِ بہارِ جاودانی

تیری ناکامیوں میں پنہاں
نیرنگِ بہشتِ کامرانی

تیرے آنسو کا ایک قطرہ
سرمایہ دامن کیانی

کب تک تجھ سے رہیگی آخر
آشفتہ سروں کو بدگمانی

کب تک کرتے رہینگے یہ سب
ناموسِ جفا کی پاسبانی

آتش زنِ خرمنِ ستم ہے
تیری خاموش نوحہ خوانی

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابندِ نے نہیں ہے

یادِ شبلی

اے وہ کہ صحیفۂ ادب میں اک آیۂ شانِ دلبری ہے
تحریر کی کائنات میں تو شایان شکوہ داوری ہے
ہر ہر ورق کتاب تیرا اک آئینۂ سکندری ہے
تیری ہر نثر کی کشش میں ہنگامۂ سحر سامری ہے
تیرے ہر شعر کا سراپا اک معجزہ پیمبری ہے
نیرنگی حسن کی جھلک سے حرفوں میں فروغ ساغری ہے
ہر بتکدۂ خیال تیرا سرمایۂ رشکِ آذری ہے
تیری تخییل کی تجلّی صرفِ رہ شعلہ گستری ہے

معمورِ اثر تیرا سخن تھا
لبریز مذاق انجمن تھا

تھا کلک غلط نگار مغرب صرف ذوق سیاہ کاری
ناموس شریعت ادب تھا جولان گاہِ غلط نگاری
اسلام پہ نکتہ چینیاں تھیں تاریخ کی کائنات ساری
تیری تحقیق نے کیا ہے افشا رموزِ فتنہ کاری
ٹوٹی تیرے کلک پردہ در سے حرفِ باطل کی سحر کاری
خونابۂ دل سے کی ہے تو نے کشت ملت کی آبیاری

اخلاص تھا تیرے آنسوؤں میں — نہ وہ حالِ اشکباری
معمورۂ علم فن میرا اب تک — اردو تھی رہینِ شرمساری
لیکن ترے ذوقِ جستجو نے — کی حُسنِ رقم کی شعلہ باری
تصنیف کی ہر چمن سرا میں — ہے تجھ سے طراوتِ بہاری

تو شامِ سیاہ کی سحر تھا
شرعِ نو کا پیام بر تھا

یادِ شوکت

اے وہ کہ بنا دیا ہے تو نے — زنداں کو بھی غیرتِ گلستاں
ہے تیرے جمالِ معنوی سے — تزئینِ فضائے یوسفستاں
آزادیٔ روح کا یہ عالم — زنجیر بھی تیری تجھ سے لرزاں
تیرے زنداں کی بندشوں میں — نیرنگیٔ وسعتِ بیاباں
تیری لَا تَقْنَطُوا کی آواز — برہم زنِ بزمِ یاس و حرماں
امید کی لرزشوں سے معمور — تیرا ہر نغمۂ پریشاں
تیری آنکھوں کی جنبشوں میں — ہنگامۂ موجِ جوشِ طوفاں
باطل تیری حق پرستیوں سے — افسوں حریفِ فتنہ ساماں
عاجز تیری بے گناہیوں سے — آبِ شمشیر و نوکِ پیکاں
تیرے صبر و سکوت میں ہے — صد رازِ شکستِ جورِ پنہاں

تیری مجبوریاں کریں گی شیرازۂ جبر کو پریشاں
کی تو نے نثار راہِ ملت روح مست و حیات جولاں
نیرنگِ جمال مصطفےٰ ہے تیری محویتوں پہ نازاں
اے مایہ افتخارِ ملت
تو ہے روحِ بہارِ ملت

ہدیۂ نیاز بہ بارگاہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا

اے عقدہ کشائے باب عالی دنیا ترے انتظار میں تھی
جمعیت کاروانِ ملت بربادی و انتشار میں تھی
واماندگی فغانِ خاموش ہر دیدہ اشکبار میں تھی
اک کشمکش حیاتِ ملی مجبوری بیقرار میں تھی
تڑپی آخر تری جبیں سے جو برق قضا کے کار میں تھی
اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا
اے مونس سطوت خلافت تو فتح مبیں کا راز نکلا
طوفانِ بلا کی شورشوں میں اک تو ہی سفینہ ساز نکلا

ظلّ نبوی تھا سایہ افگن — جب لیکے سر نیاز نکلا
یوں نغمہ سرا ہوئے فرشتے — جانباز رہِ حجاز نکلا

لبریز نوائے سرمدی سے
معمور ضیائے احمدی سے

اے منتخب حیات جاوید — اے عزتِ طالع سکندر
تو ایک دلیلِ محتشم ہے — اسلام کی جاں نثاریوں پر
تیری قربانیوں پہ نازاں — توقیرِ شریعتِ پیمبر
تیری بے باکیوں سے لرزاں — مغرب کا ہر ایک فتنہ پیکر
ہیں انجمنیں تمام برہم — دنیا پہ ہے اک فضائے محشر
بکھرے ہوئے ہیں عرب کے اوراق — ہے روبہ خزاں عجم کا منظر
اے معجزۂ نسیم امّید — اب تیری طرف ہے دیدۂ تر

سرمایۂ برگ و بار ہو جا
پیرایۂ صد بہار ہو جا

پیام شوق بہ بارگاہِ غازی مصطفےٰ کمال پاشا

اے غنچۂ شاخسار ملّت — اے مژدہ دہِ بہار ملّت
اے حرفِ پیام دورِ فیروز — اے مونس و مایہ دار ملّت

اے جنبشِ سیفِ کبریائی — اے دستِ کشودِ کارِ ملّت
ماہِ عمر و جلال و تمکیں — مہرِ شرف و وقارِ ملّت
چمکا تیری طرفہ کاریوں سے — رنگِ لیل و نہارِ ملّت
تیری شمشیر کی تجلّی — صبحِ شبِ انتظارِ ملّت
سعیِ پیہم سے تیری آخر — نصرت ہو گئی ہمکنارِ ملت
قائم تیری ہوشمندیوں پر — یہ دورۂ کامگارِ ملت
اے محورِ گردشِ تمنّا — اے مرکزِ اقتدارِ ملّت
تو معجزہ لبِ دعا ہے — تو پیکرِ حسنِ مدّعا ہے

جب رہِ جستجو میں نکلا — آوارہ و مضطر و پریشاں
ہر اک نقشِ قدم سے تیرے — تھیں شوق کی منزلیں نمایاں
ہر تار تھا رونمائے دامن — ہر چاک تھا رشکِ صد گریباں
شامِ غربت کی تیرگی میں — اک مشعلِ طور تھی فروزاں
جاہ و حشمِ سکندری تھا — تیری بے مائگی پہ قرباں
تھی بادِ خزاں کی جنبشوں میں — موجِ نفسِ بہار پنہاں
بخشا تیری بے نوائیوں کو — نیرنگِ قضا نے ساز و ساماں
تیری صحرا نوردیوں میں — رنگینیِ عشرتِ گلستاں
تیری فیروزمندیوں پر — شیرازۂ کائنات نازاں
تیری نکہت فروشیوں سے — ہر دشت میں ہے بہارِ بستاں
ہر خار سے ہے طراوشِ گل — ہر گل میں ہے شوکتِ گلستاں



پنڈت برج نرائن چکبست

ہر شام میں تابش سحر ہے		ہر صبح میں ہے فروغ یزداں
صحرائے عرب کی بھی فضائیں		ہیں منتظر ضیائے ایماں
ہر خاک کو کامیاب کردے
ہر ذرّہ کو آفتاب کردے

چک لبست

نوحہ

ایک ہونہار اور جوانمرگ عزیز اور دوست کی وفات پر

اے جوانی کے مسافر اے اجل کے میہماں		سو گیا تو سنتے سنتے زندگی کی داستاں
تھک کے نیند آئی ہے ہوتا ہے یہ چتون سے عیاں		نیم باز آنکھوں میں ہے کیفیت خواب گراں
کار دنیا سے کوئی یوں بے خبر ہوتا نہیں
رات بھر جاگا ہو دولھا بھی یوں سوتا نہیں
آفتاب مشرق چمکا ہو گیا دن آشکار		تیرے چہرہ سے مگر سرکی نہ چادر زینہار

دیکھ لے اُٹھ کر ذرا اپنی جوانی کی بہار — سُن تو کیا کہتی ہے ہاں شانہ ہلا کر بار بار

یہ کفن ہرگز نہیں تیرے پہنانے کے لئے

لائی ہوں خلعت تجھے دولہا بنانے کے لئے

محفلِ احباب میں ماتم ہے تو ہے مستِ خواب — کچھ خبر ہے آج کس کس کی ہوئی مٹی خراب

آخری تسلیم کے مشتاق ہیں کچھ دے جواب — پھر نظر آئیگی کاہے کو یہ تصویرِ شباب

ہنس کے ہر اک بات پر وہ جنبشِ ابرو کہاں

اک نظر بھر دیکھ لے اب ہم کہاں اور تو کہاں

اے محبت کے فرشتے اے وفا کے آفتاب — تیرے سینے میں صفا تھی جیسے آئینہ میں آب

واسطے دشمن کے بھی لایا نہ تو دل میں عتاب — آج کیوں آتا ہے تجھکو بھائی بہنوں سے حجاب

آج تو سنتا کسی کی گریہ و زاری نہیں

او عدم کے جانے والے یہ وفاداری نہیں

ماں کو رونا ہے کہ جاتا ہے تو جاں کر گلے — بھائی کہتا ہے ہونگا کس کی چھاتی کے تلے

کہتی ہیں بہنیں کہاں منہ موڑ کر بھائی چلے — دھیان کچھ اسکا بھی ہے جس گود میں ہم تم پلے

کچھ سہارا چاہئے اہلِ محن کے واسطے

بھائی کی ڈھارس بڑی شے ہے بہن کے واسطے

تیری بالیں پر کھڑا ہے اور بھی اک سوگوار — وہ عزیزوں سے سوا تیرا انیس و غمگسار

چھوڑ کر گھر بار تجھ پر جان کی اپنی نثار — اس محبت کا فسانہ بھی رہے گا یادگار

گو کہ اب باقی دلوں میں جذبۂ عالی نہیں

پاک روحوں سے مگر دنیا ابھی خالی نہیں

اس شہید یاس کا صدمہ عیاں ہوتا نہیں　　آہ وہ کرتا نہیں اشکوں سے منہ دھوتا نہیں
جانِ غمگیں نالہ و فریاد سے کھوتا نہیں　　کیا قیامت ہے کہ سب روتے ہیں وہ روتا نہیں
نالہ و فریاد اس کے زخم کا مرہم نہیں
چارہ آنسو کا جو ہو محتاج یہ وہ غم نہیں

یہ وہ رونا ہے جو روتے ہیں ترے پسماندگاں　　ہے دلِ ناشاد کو کچھ اور ہی رونا یہاں
یاد کر کے اُن کو روتی ہے یہ چشمِ خوں فشاں　　تیری پیشانی پہ دیکھے تھے جو عظمت کے نشاں
تو مرا کیا قوم کا تیری مقدر پھر گیا
ایک موتی اور دامن سے ہمارے گر گیا

وہ ادب وہ علم وہ تہذیب اور وہ انکسار　　زندگی تیری تھی ہمجنسوں میں اپنے یادگار
زیورِ اخلاق تھا تیری جوانی کا سنگار　　جب تلک زندہ رہا یکساں رہا تیرا شعار
خدمتِ انسان و یادِ کبریا ہوتی رہی
دل کے آئینہ پہ مذہب کی جلا ہوتی رہی

تو نے جس دنیا میں کھولی آنکھ اے نقشِ فنا　　کچھ موافق تھی نہ تیرے واسطے اس کی ہوا
فیضِ قدرت نے مگر جوہر کئے ایسے عطا　　باعثِ حیرت ہوئی دل کو ترے نشو و نما
میں یہ کہتا تھا کہ خاکستر سے آئینہ ملا
نورِ تاریکی میں ویرانے میں گنجینہ ملا

یہ تمنا تھی یہ آئینہ جلا پائیگا اب　　پھیل کر یہ نورِ بزمِ قوم تک آئیگا اب
علم کا افلاس اس دولت سے مٹ جائیگا اب　　جانتا تھا کون گردوں یہ ستم ڈھائیگا اب
آئینہ ٹوٹا نظر سے نورِ ہستی کھو گیا

یہ خزانہ قوم کی قسمت سے مٹی ہو گیا

اس دل ناشاد میں کچھ حسرتوں کے ہیں مزار
اور اک چھوٹی سی تربت ہو گی تیری یادگار

پھول جب گلزار میں لائینگے پیغام بہار
یاد کر کے تجھ کو یوں رو یگا تیرا سوگوار

کھل کے گل کچھ تو بہار جانفزا دکھلا گئے
"حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

تیری ہستی تھی اگر دیباچہ اندوہ و غم
عالم فانی میں تو نے کس لئے رکھا قدم

اُن پہ حسرت ہے جو یوں دیتے ہیں غمگینوں کو دم
خواب یہ دنیا ہے یاں کیسی خوشی کیسا الم

انتظام دہر کی آخر ہے یہ تفسیر کیا
خواب دنیا ہے تو ہے اس خواب کی تعبیر کیا



ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال ایم-اے-پی-ایچ-ڈی-بارایٹ-لا-لاہور

اقبال

شہدائے طرابلس

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا

ہوئی رفیق اجل آرزوئے آزادی
سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزم مکرم میں لے گئے مجھکو
حضور سرورِ عالم میں لیگئے مجھکو

کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز

اڑا جو پستیٔ دنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھکو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

یہ عرض کی کہ جہاں میں خوشی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا — ہے پرِ مرغِ تخیّل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو، بزمِ سخن پیکر ترا — زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اُس حُسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار — جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیّل سے ہے قدرت کی بہار — تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ دار

زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر — محوِ حیرت ہے ثریّا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدّق ہے ترے انداز پر — خندہ زن ہے غنچۂ دلّی گُلِ شیراز پر

آہ! تو اجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں — ہو تخیّل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہمنشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں — آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں!

گیسوئے اردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

اے جہاں آباد! آہ اے گہوارۂ علم و ہنر — ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در

ذرّے ذرّے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟

بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدّر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کیلئے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لئے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبّت میں کچھ مزا ہی نہیں
نظر تھی صورتِ سلماںؓ ادا شناس تری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا
اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید
خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید
گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰؑ پر
تپش ز شعلہ گرفتند و بر دلِ تو زدند
چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصلِ تو زدند
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی		نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اُس کا!

خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اُس کا!

بلالؓ

لکھا ہے ایک مغربیِ حق شناس نے		اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا

جولانگہِ سکندرِ رومی تھا ایشیا		گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے		دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا

دنیا کے اس شہنشہِ انجم سپاہ کو		حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا

آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں

تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن بلالؓ، وہ حبشی زادۂ حقیر		فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر

جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ		محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر!

ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط		کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر!

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز		صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے؟

رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے!

داغ

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیِ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر

آج لیکن ہمنوا! سارا چمن ماتم میں ہے!
شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے!

بلبلِ دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں
ہمنوا ہیں سب عنادل باغِ ہستی کے جہاں

جل بسا داغ آہ! میت اسکی زیبِ دوش ہے!
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے!

اب کہاں وہ بانکپن! وہ شوخیِ طرزِ بیاں!
آگ تھی کافورِ پیری میں جوانی کی نہاں

تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلیِ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے

اب صبا سے کون پوچھیگا سکوتِ گل کا راز؟
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز؟

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

اور دکھلائینگے مضموں کی ہمیں باریکیاں
اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں

تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رلوائیں گے
یا تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے

اس چمن میں ہونگے پیدا بلبلِ شیراز بھی
سینکڑوں ساحر بھی ہونگے صاحبِ اعجاز بھی

اٹھیں گے آذر ہزاروں شعر کے بتخانے سے
مے پلائینگے نئے ساقی نئے پیمانے سے

لکھی جائینگی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہونگی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟

اُٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون!

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں
تو بھی رو اے خاکِ دلّی! داغ کو روتا ہوں میں!

اے جہان آباد اے سرمایۂ بزمِ سخن!
ہو گیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن!

وہ گُلِ رنگیں ترا رخصت مثالِ بو ہوا
آہ! خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا

تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں
وہ مہِ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں

اُٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی ہو گیا
یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالی رہ گیا

آرزو کو خون رُلواتی ہے بیدادِ اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیّادِ اجل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لئے لیکن زباں
ہے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیامِ گلستاں

ایک ہی قانونِ عالمگیر کے ہیں سب اثر
بوئے گل کا باغ سے، گلچیں کا دنیا سے سفر

سوامی رام تیرتھ

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب! تو
پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہرِ نایاب تو

آہ! کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا
یہ شرارہ بجھ کے آتش خانۂ آذر بنا
نفیِ ہستی اِک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لَا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلَّا اللہ کا
چشمِ نابینا سے مخفی معنیِ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیمِ خام ہے
توڑ دیتا ہے بتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق

فاطمہ بنت عبداللہ

ایک عرب لڑکی جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی

فاطمہ! تو آبروئے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر!
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر!
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی!
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں!

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے!
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں
بیخبر ہوں گرچہ ان کی وسعتِ مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں انکی اس مرقد سے میں
تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور
جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے
جن کی ضو ناآشنا ہے قیدِ صبح و شام سے

جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

شبلی و حالی

مسلم سے ایک روز یہ اقبال نے کہا
دیوان جزو و کل میں ہے تیرا وجود فرد

تیرے سرود رفتہ کے نغمے علوم نو
تہذیب تیرے قافلہ ہائے کہن کی گرد

پتھر ہے اس کے واسطے موج نسیم بھی
نازک بہت ہے آئینہ آبروئے مرد

مردان کار ڈھونڈ کے اسباب حادثات
کرتے ہیں چارۂ ستم چرخ لاجورد

پوچھ ان سے جو چمن کے ہیں دیرینہ رازدار
کیونکر ہوئی خزاں ترے گلشن سے ہم نبرد

مسلم مرے کلام سے بیتاب ہو گیا
غماز ہو گئی غم پنہاں کی آہ سرد

کہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خزاں
اوراق ہو گئے شجر زندگی کے زرد

خاموش ہو گئے چمنستاں کے رازدار
سرمایۂ گداز تھی جن کی نوائے درد

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد

"اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟"

والدۂ مرحومہ کی یاد میں

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے
پردۂ مجبوری و بیچارگی تدبیر ہے

آسماں مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں
انجمِ سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبورِ نمو گلزار میں
نغمۂ بلبل ہو یا آواز خاموشِ ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالمگیر میں ہر شے اسیر!
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سرِّ مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں
قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دلِ آگاہ ہے!
گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عنّابی نہیں
جانتا ہوں آہ! میں آلامِ انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصۂ نیرنگیِ دوراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے

آہ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے!

گریۂ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدل شرمندہ ہے

موجِ دودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنجِ آبِ آورد سے معمور ہے دامن مرا

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا
عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا

جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیٔ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہربار کے

علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور

زندگی کی اوج گاہوں سے اُتر آتے ہیں ہم
صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہیگا بیقرار؟

خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا؟

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

عمر بھر تیری محبّت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا، تو چل بسی

وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبّت میں تری تصویر، وہ بازو مرا

تجھ کو مثلِ طفلکِ بیدست و پا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مسا روتا ہے وہ

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتم خانۂ برنا و پیر!!

آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر!
کتنی مشکل زندگی ہے! کس قدر آساں ہے موت!
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت!

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!
کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفتار ہے
زندگانی کیا ہے، اک طوقِ گلو افشار ہے!
قافلے میں غیرِ فریادِ درا کچھ بھی نہیں
اک متاعِ دیدۂ تر کے سوا کچھ بھی نہیں!

ختم ہو جائیگا لیکن امتحاں کا دور بھی
ہیں پسِ نہ پردۂ گردوں ابھی دور اور بھی!
سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا؟
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا؟
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہِ خزاں
سبز کر دیگی انھیں بادِ بہارِ جاوداں

خفتۂ خاکِ پے سپر میں ہے شرارِ اپنا تو کیا؟
عارضی محمل ہے یہ مشتِ غبار اپنا تو کیا؟
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں!
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں!

زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے
ذوقِ حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ! غافل! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے!
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے!
جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب
موجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ!
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر؟

یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر
فطرت ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو!
آہ! سیمابِ پریشاں، انجمِ گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سر بزانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سرگذشتِ نوعِ انساں ایک ساعت ان کی ہے!
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثالِ شمع روشن محفلِ قدرت میں ہے
آسماں اک نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لئے بیتاب ہے
جس کا ناخن سازِ ہستی کے لئے مضراب ہے
شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا؟
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟
تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بیخواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لئے مجبور ہے

سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں!

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ!

ہے لحد اس قوّتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے!

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں!
موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں!

کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ اجل ہے لا دوا
زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقۂ زنجیرِ صبح و شام سے آزاد ہے

وقت کے افسوں سے تھمتا نالۂ ماتم نہیں
وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں

ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے

خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشک آباد سے
آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نامعلوم ہے
جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں
رختِ ہستی خاک، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے!
آہ! یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں!
آگہی ہے یہ دلآسائی، فراموشی نہیں!
پردۂ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داغ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح
لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ
سینۂ بلبل کے زنداں سے سرود آزاد ہے
سینکڑوں نغموں سے بادِ صبحدم آباد ہے
خفتگانِ لالہ زار و کوہسار و رود بار
ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح؟

دامنِ سیمیں تخیل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر!
یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے!
وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولانگاہ ہے!
ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے
نورِ فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں
زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا!
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا!
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

گرونانک

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروا نہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہرِ یک دانہ کی!
آہ! بد قسمت رہے آوازِ حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمعِ حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی!
آہ! شودر کے لیے ہندوستاں غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمعِ گوتم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نورِ ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے!

شیکسپیئر

شفقِ صبح کو دریا کا خرام آئینہ
نغمۂ شام کو خاموشیِ شام آئینہ
برگِ گل آئینۂ عارضِ زیبائے بہار
شاہدِ مے کے لیے حجلۂ جام آئینہ
حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن
دلِ انساں کو ترا حسنِ کلام آئینہ
ہے ترے فکرِ فلک رس سے کمالِ ہستی

کیا تری فطرتِ روشن تھی اَل ہستی؟

تجھ کو جب دیدۂ دیدارِ طلب نے ڈھونڈا
تابِ خورشید میں خورشید کو پنہاں دیکھا

چشمِ عالم سے تو ہستی رہی مستور تری
اور عالم کو تری آنکھ نے عریاں دیکھا

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
رازداں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا!

ہمایوں

مسٹر جسٹس شاہ دین مرحوم

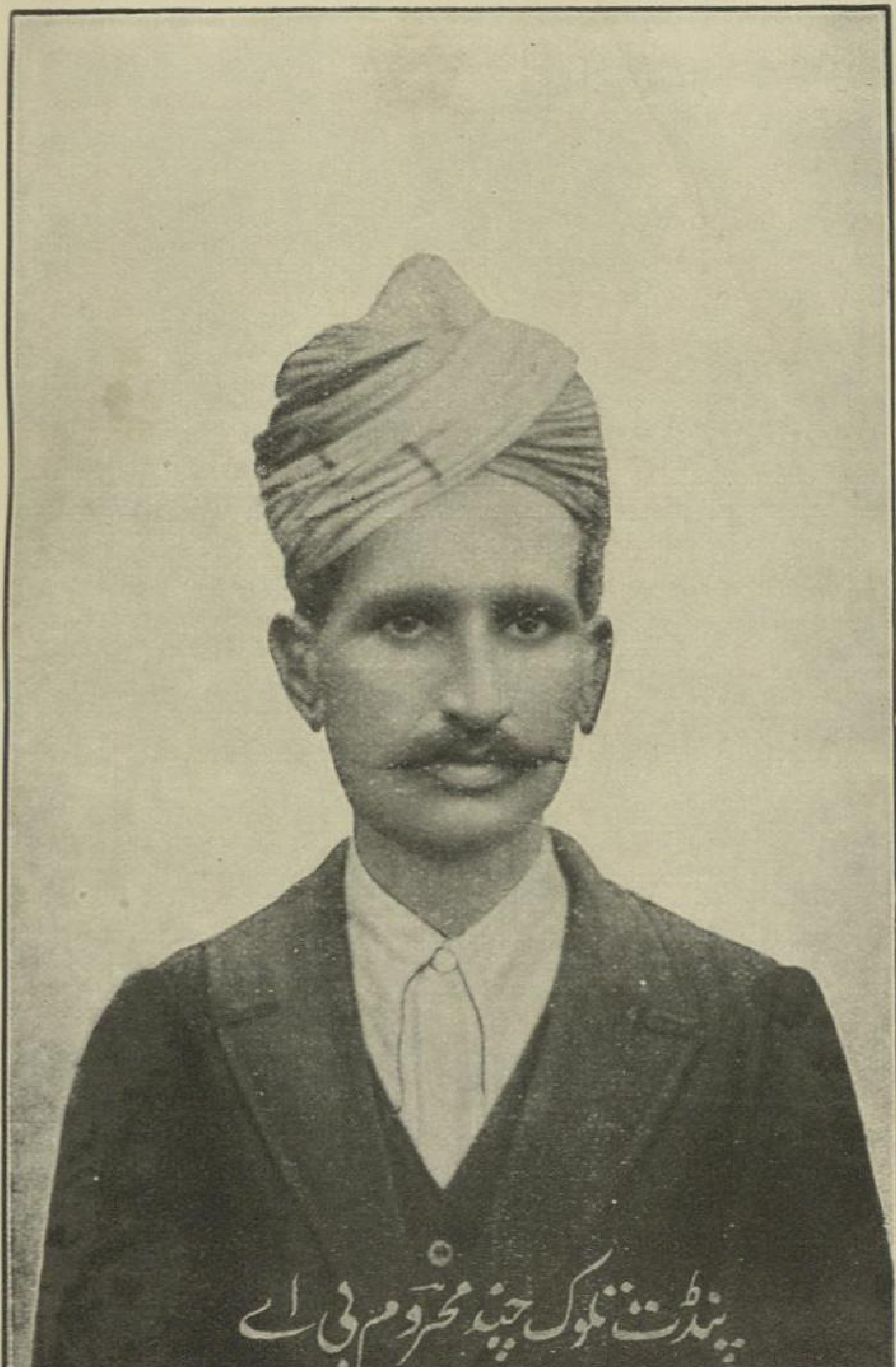
اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی!

گرچہ تھا تیرا تنِ خاکی نزار و دردمند
تھی ستارے کی طرح روشن تری طبعِ بلند

کس قدر بیباک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلۂ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

موت کی لیکن دلِ دانا کو کچھ پروا نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں!

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی!



پنڈت تلوک چند محروم بی اے

محروم

حضرت سرور جہان آبادی

اے سرورِ نکتہ داں! اے شاعرِ معجز بیاں
اے کہ گل ریزی سے تیری ہند ہے باغ جناں
بزم رازِ عالمِ بالا کا ہے تو راز داں
تیرے نغموں پر لگے رہتے ہیں گوشِ قدسیاں
حق نے بخشا ہے تجھے جان بخش اعجازِ سخن
چٹکیاں لیتا ہے دل میں تیرا اندازِ سخن

سحر ہے۔ افسوں ہے۔ جادو ہے تری گفتار میں
معنئے تاثیر کھلتے ہیں ترے اشعار میں
گل کو رنگت تیری رنگینی سے ہے گلزار میں
تیری طبعِ موج زا کی موج ہے انہار میں
ہر نفس میں ہے ترے کیسا مسیحا پروری
ہند کو حاصل ہے چوتھے آسماں پر برتری

شاہدِ مضموں میں تیرے شوخیٔ جانانہ ہے

ہر ادا مستانہ ہے ہر ناز معشوقانہ ہے
شمعِ معنے پر تری بزمِ سخن پروانہ ہے
داستاں جو ہے دلِ پُردرد کا افسانہ ہے
ہوک اُٹھتی ہے جگر سے تیری اک اک آہ پر
تیر سے آ کر برستے ہیں دلِ آگاہ پر
شاہدِ فطرت کا حسنِ جانفزا دیکھے کوئی
یا تری تحریر میں تیری ادا دیکھے کوئی
سازِ بزمِ راز کی سنگر صدا دیکھے کوئی
ہے یہ کس کا نغمۂ رنگین زرا دیکھے کوئی
نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
ساقیٔ بزمِ سخن کے گو ہیں متوالے بہت
ہیں عدو میں شاعری کے چاہنے والے بہت
روتے ہیں پیہم دلوں میں پھوٹ کر چھالے بہت
اٹھتے ہیں دستِ دعا بن بن کے گونالے بہت
ہے مگر وہ شاہدِ رعنا ترے آغوش میں
جوششِ گریہ کا عالم غیر کے سرجوش میں
حسنِ معنی کی جھلک جلوہ ہے برقِ طور کا
طبعِ روشن سے تری روشن ہے مضموں دور کا

نت نیا پردہ اٹھا کر طلعتِ مستور کا
چشمِ عالم کو دکھاتا ہے تماشا نور کا
دل ترا ہے یا کہ ہے گنجینۂ اسرارِ حق
یہ زباں ہے یا کہ ہے آئینۂ اسرارِ حق
جو طبیعت میں تری ہے گُل میں رنگینی کہاں
شعر نازک کو ترے پہونچے بتِ چینی کہاں
نکتہ چینوں کے لئے جائے سخن چینی کہاں
مجمعِ خوبی ہے تو۔ بدبیں و بد بینی کہاں
نثر پر تیری کروں عقدِ ثریّا کو نثار
نظم پر قرباں تری صد سلکِ دُرِّ شاہوار
ہے ترے نغموں سے باقی ہند میں شانِ چمن
ہو قیامت تک نہ بے یوسف یہ کنعانِ سخن
اے سرورِ نغمہ بار اے ابرِ نیسانِ سخن
ہے برسنے سے ترے سرسبز بستانِ سخن
کلکِ گل افشاں ترا کر لے اگر عزمِ نشاط
ہند کی اُجڑی ہوئی نگری ہو پھر بزمِ نشاط
تجھکو زیبا نازشِ بیحد۔ جہاں آباد ہے
تجھ میں ایسا مایۂ فخرِ جہان آباد ہے
کیا مبارک شہر ہے تو وہ جہاں آباد ہے

دم سے جس کے نظم اُردو کا جہاں آباد ہے

تیری گلیوں میں جو کوئی جلوہ پیرائی کرے
کیوں طواف آ کر نہ تیرا کوئی شیدائی کرے

دہر میں جب تک بوئے گلہائے فن باقی رہے
نظم اُردو کا پھلا پھولا چمن باقی رہے

مایہ دارِ رونق بزمِ سخن باقی رہے
یادگار مشربِ دورِ کہن باقی رہے

جی میں آتا ہے کہ آ کر چوم لوں تیرے قدم
آہ لیکن جانستاں ہے دوریِ منزل کا غم

نوحہ وفات سرور

دل پہ بیٹھا آ کے پھر تیرِ جفائے آسماں | لے گئی کس کو اٹھا کر آہ مرگِ ناگہاں
ہر طرف چھایا ہوا ہے کیوں خموشی کا سماں | بزمِ ہستی سے ہوئے رخصت سرورِ خوش بیاں

آہ گلچینِ اجل سے کیسی نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

آہ! اس عالم سے تجھکو تھی بہت دلبستگی | دل میں تیرے تھی ہمیشہ آرزو پرواز کی
پیرہنِ پست رہنے کے ترے قابل نہ تھی | روح تیری رہ نوردِ عالمِ بالا رہی!

تو تو پہونچا اپنے گھر لیکن ہمارا کیا علاج

کچھ بتانا تھا ہمیں بھی دردِ فرقت کا علاج

آرزو جنت کی تھی، ہندوستاں کچھ کم نہ تھا — سیرِ شاعر کے لئے یہ گلستاں کچھ کم نہ تھا
گنگا جمنا کے مناظر کا سماں کچھ کم نہ تھا — زمزم و کوثر سے یہ آبِ رواں کچھ کم نہ تھا

ہند میں ساماں تھے سارے جنت الفردوس کے
کس لئے ترکِ وطن کا پھر خیال آیا تجھے

گلشنِ ہستی سے تو گر مائلِ پرواز تھا — نغمہ ہائے دلنشیں کا چھیڑنا کیوں ساز تھا
آہ تو قدرت کے رازوں کی طرح اک راز تھا — تیری ہستی پر ہمیں اے داغ کتنا ناز تھا

باعثِ وحشت ہوئی ہے تیری خاموشی ہمیں
مائلِ فریاد کرتی ہے یہ خاموشی ہمیں

شاعرانِ خوش بیاں ہیں اور کئی ہونگے یہاں — فکرِ عالی بھی نہیں کمیاب زیرِ آسماں
حسن و الفت کی بھی سنتے جائینگے ہم داستاں — نل دمن کا بھی نکل آئیگا کوئی ترجماں

شعر کو دیگا مگر خونِ جگر سے رنگ کون؟
حسنِ فطرت کے دکھائیگا ہمیں ارژنگ کون؟

شاہدِ گل اپنے جوبن کو ابھارے کس لئے؟ — سنبلِ صحنِ چمن گیسو سنوارے کس لئے؟
لہلہائے سبزہ نہروں کے کنارے کس لئے؟ — سین دکھلائے قدرت پیارے پیارے کس لئے؟

لالہ ساغر کیوں بھرے جب کوئی متوالا نہ ہو
کیا ضرورت حسن کی جب دیکھنے والا نہ ہو

کیا نہ اب ہوگا ترنم ریز تو ساون میں بھی — گنگنائیگا نہ عہدِ نو تو گلشن میں بھی
کیا نہ ہوگا شامل اب بلبل کے نغمۂ شیون بھی — لالۂ صحرا سے بولیگا نہ ہرگز بن میں بھی

کیا ہمیشہ کے لئے تو بے صدا ہو جائیگا؟
سازِ دل بیگانۂ رنگِ نوا ہو جائیگا؟

خوابِ جہانگیر

مژدۂ عیش نسیمِ سحری لائی ہے — دوش بر دوشِ صبا نکہتِ گل آئی ہے
بزمِ قدرت میں عجب شانِ دل آرائی ہے — وقتِ مے نوشی ہے اے شاہ گھٹا چھائی ہے
منتظرِ محفلِ عشرت ہے شہا! جاگ کہیں
او صبوحی کشِ مستانہ ادا! جاگ کہیں

مستی انگیز ہے کیا حسنِ شباب راوی — مست بیخود ہیں کہ آئی ہے نقاب راوی
جاگ! تجھ بن ہے نگوں جامِ حباب راوی — جوئے مے کر دے رواں جو ہو جواب راوی
موجِ دریائے طرب موجۂ صہبا ہو جائے
پار مستوں کا ترے نام سے بیڑا ہو جائے

جاگ اے شاہ جہانگیر! جہان بخشِ جہاں — اے شہِ ملکِ سخا! طبل و نشان بخشِ جہاں
جاگ اے جانِ جہاں! روح و روان بخشِ جہاں — کہ ترا جلوۂ دیدار ہے جان بخشِ جہاں
ایک عالم پئے دیدار چلا آتا ہے
درِ دولت پہ جہاں تیرے کھچا آتا ہے!

آہ! طاری ہے یہ کیا خوابِ گراں متوالے! — نہیں سنتا جو رعیت کی فغاں متوالے!

کس تصور میں ہے! بھرتا ہے کہاں متوالے   دیدۂ خلق سے کیوں ہو گئے نہاں متوالے!

چھوڑ کر تختِ شہی زیرِ زمیں جا سویا

بدلی کروٹ بھی نہ صدیوں سے یہ اچھا سویا!

تختِ شاہانہ پہ وہ جلوہ نمائی تیری   ہائے اظلِ الٰہی! اتھی خدائی تیری

چل بسی ساتھ تیرے عدل روائی تیری   مل گئی خاک میں زنجیر طلائی تیری

عدل و انصاف کا تیرے ہے فسانہ باقی

تو ہی باقی ہے نہ اب تیرا زمانہ باقی!

تو وہ تھا مست کہ تجھ سا کوئی ہشیار نہ تھا   خلق خالق سے ہو غافل تو وہ ہنجار نہ تھا

عہدِ میموں میں ترے کوئی بھی نادار نہ تھا   دور مے تھا ستمِ گردشِ ادوار نہ تھا

جبکہ میخانہ سے ستوں کی دعا اٹھتی تھی

آبِ انگور لئے ساتھ گھٹا اٹھتی تھی!

تو نہیں ملک میں لیکن تری شوکت ہے وہی   سینۂ دشمنِ بدکیش میں ہیبت ہے وہی

وہی رنگت ترے پھولوں میں ہے نکہت ہے وہی   بعدِ مردن بھی ترے نام کو عزت ہے وہی

کہ تری خاک زیارت کدۂ عالم ہے

تربتِ پاک زیارت کدۂ عالم ہے

تاثیرِ بے گناہی

شریمان لالہ لاجپت رائے کی رہائی

جبکہ پہنچی ہند میں تیری رہائی کی خبر — قیدِ غم سے ہو گیا آزاد ہر فرد و بشر
ہو گئی وہ صبح صبحِ عید ملکِ ہند میں — مژدۂ آمد ترا لے آئی جب بادِ سحر
کون لایا تجھ کو واپس ہند میں اے لاجپت! — اپنی آہیں نارسا اور اپنے نالے بے اثر
پار ہے ساتوں سمندر کے وہ دربارِ شہی — قیصرِ کسریٰ عدالت جس میں ہے خود جلوہ گر
دور ہے ہندوستاں سے کس قدر وہ باغِ داد — مار سکتا ہے وہاں بھارت کا پنچھی جا کے پر؟
جذبۂ الفت ہمارا کھینچ کر لایا تجھے؟ — آہ! پر آئی کہاں سے اس میں طاقت اس قدر؟
تیری معصومی تجھے لائی یہاں اے لاجپت! — تجھکو تیری بیگناہی نے چھڑایا سربسر

جاگ اے بھارت! ترے پہلو میں ہے پیارا ترا
سامنے آنکھوں کے ہے وہ آنکھ کا تارا ترا

سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ پہلو میں ترے — دل کے دو پہلو ہیں اک ہے موم کا اک آہنیں
موم کے پہلو میں جب تیرِ غمِ اہلِ وطن — آ کے لگتا ہے تو ہو جاتا ہے تو فوراً حزیں
دوسرا پہلو جو لوہے کا بنا ہے سخت ہے — سختیٔ ایام کا جس پر کچھ اثر ہوتا نہیں
ہم نہ ہوتے گے دہر میں او ہستیٔ ناپائیدار! — ورنہ گلزارِ وطن کی تجھ کو دکھلاتے بہار
نکہتِ گلہائے آزادی کی اڑ اڑ کر مہک — جائیگی ہندوستاں سے سوئے چیں سوئے تتار
آئیگی بادِ سحر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی — بن سنور کر سیر کو نکلے کوئی جیسے نگار

سبزۂ بیگانہ سے اُٹھ جائیگی بیگانگی
ساحلِ جمنا سے چمن سے خوب ہوگا ہمکنار

سینۂ اہلِ چمن سے کینہ ہو جائیگا دور
دل ہیں پھولوں کے نہ دیکھیگا کوئی ہرگز غبار

دخل کیوں ہوگا خزاں کا گلشنِ شاداب میں
جبکہ پہرے پر کھڑے ہو جائینگے سرو و چنار

خوب ہی گل کھلائیگی خاکِ وطن اگلریزیاں
خونِ شہیدانِ وطن کا جبکہ ہوگا آشکار

یہ ہمارا عہد جب ہو جائیگا عہدِ کہن
گل کھلائیگی نئے جب گردشِ لیل و نہار

ثبت ہوگا برگِ گل پر لاجپت رائے کا نام
اور گائیگی ترانے گیت گلشن میں ہزار

شرمان لالہ ہنس راج

اس عہد میں کہ دور ہے قحط الرجال کا
اگلے مہاتماؤں کی ہے یادگار تو!

چرچا ہے سارے دیش میں تیری خصال کا
پنجاب۔ بلکہ ہند۔ کا تاج وقار تو!

خالق نے دے کے جذبۂ حبِّ وطن سے
ایثارِ نفس کا تجھے پتلا بنا دیا

قدرت نے مثلِ شمعِ سرِ انجمن تجھے
نورِ صداقت اور فروغِ وفا دیا

پنہاں نظر سے نکہتِ گل کی طرح رہا
خوشبو سے بس گیا تری لیکن مشامِ ہند

عالم یہ ہو بہو ہے تری کم نمائی کا
روشن ہے ماہِ عید بداماں شامِ ہند

صفحے الٹنے جائینگے لیل و نہار کے
لکھ لکھ مٹائے جائینگے عنواں نئے نئے

چمکیں گے پر حروف تری یادگار کے
آتے رہینگے تیرے ثناخواں نئے نئے

تیری مثال اک شجرِ سایہ دار ہے
سائے میں اپنے راہ رووں کو بٹھائے گی

ان کو بڑھائیگی جنہیں نیکی سے پیار ہے   ٹوٹے ہوئے دلوں کی وہ ڈھارس بندھائیگی
یا روشنی کا ہے کوئی مینار کوہ پر   جس سے جہاز زیست کو ساحل نظر پڑے

وہ ساحل مراد جسے دیکھ کر بشر
طوفاں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا چلے

کرشن کماری

تھی والئے میواڑ کی اک راج دلاری   نام اس پری تمثال کا تھا کرشن کماری
رعنائی صورت سے مسخر تھا زمانہ   ہر ایک پلک نیمچہ، ہر نین کٹاری
وہ طلعت زیبا تھی کہ خورشید و قمر بھی   کرتے تھے کھڑے شام و سحر آئینہ داری
تھی پردہ ناموس میں مستور یہاں تک   منہ سے نہ نکالی تھی کبھی بات بھی ساری
دھوم اس کی جوانی کی مچی راجستان میں   کتنے ہی کنور ہو گئے اس بت کے پجاری
کیوں آگ رقابت کی بھڑکتی نہ جہاں میں   کس طرح نہ ہوتا اثر شعلہ عذاری
ہر سورما رکھتا تھا یہی دل میں تمنا   زینت مرے کاشانہ کی ہو کرشن کماری
ہر ایک ریاست میں ہوئے جنگ کے ساماں   ہونے لگے احکام صف آرائی کے جاری

دم مارنے کی تاب نہ تھی امن و اماں کو
موقوف دم تیغ پہ تھی عہدہ برآری

رانا نے جو اس شاہد رعنا کا پدر تھا   سوچا کہ ہوا راجستاں کشتہ خواری

کٹ مرنے کو تیار جوانانِ جری ہیں
ہو جائینگے سیلاب یہاں خون کے جاری

بہتر ہے کلیجے پہ رکھوں اپنے ہی پتھر
ٹل جائے مصیبت یہ سرِ قوم سے بھاری

بچ جائینگے یہ لوگ تباہی سے یقیناً
بیٹی مری مر جائے اگر آج کنواری

یہ سوچ کے اِک زہرِ ہلاہل کا پیالہ
رنواس میں بھیجا کہ پیئے کرشن کماری

رنواس میں اس وقت اٹھا شورِ قیامت
اللہ نہ دکھلائے جو حالت ہوئی طاری

گھر بھر میں جو بے غم نظر آئی وہی اک تھی
تیار جو مرنے کو تھی چپ چاپ بچاری

جس دم لبِ نازک سے لگا ساغرِ جاں سوز
ماں غش سے زمیں پر گری اندوہ کی ماری

اک لحظہ میں وہ شمعِ دل افروز ہوئی گُل
فی الفور ہوئی سرد کہ وہ زہر تھا کاری

ہے موت تری ہستیٔ جاوید سے بڑھ کر
اے پیکرِ ناموس و فا کرشن کماری

ایثار نے دی ہے وہ ترے نام کو تقدیس
گردن ترے اذکار پہ جھکتی ہے ہماری

مردانہ تو قرباں ہوئی فرمانِ پدر پر
ہے روح تری مستحقِ رحمتِ باری

پدمنی

۱

پدمنی! اے مایۂ شانِ حمیت، پدمنی! نام ہے تیرا فروغِ رنگِ تصویرِ وفا!
پدمنی! اے پیکرِ ناموس و غیرت پدمنی! داستاں تیری زمانے میں ہے تفسیرِ وفا!

۲

تو وہ نقشِ دلنشیں اس عالمِ امکاں میں تھی تا قیامت جس پہ اترایا کرے ارژنگِ حسن
شعلۂ حسنِ ازل یا صورتِ انساں میں تھی یا تجھے کہیے ظہورِ جلوۂ نیرنگِ حسن

۳

حسنِ عالم سوز نے تجھ کو بنا کر شمعِ بزم رکھ دیا پہلو میں قلبِ مضطرِ پروانہ بھی
آتشِ سوزاں میں جو جوہر تھا کیا ہنگامِ رزم آج تک حیراں ہے جس پر ہمتِ مردانہ بھی

۴

پھرتے ہیں بن کر شفق افلاک پر شعلے ابھی بجھ گئی تجھ کو جلا کر جلد گو تیری چتا
آتے ہیں چشمِ تصور کو نظر شعلے ابھی نام روشن آج تک ہے قلعہ چتوڑ کا

۵

تیری قربانی کے قربان تو نے کس ایثار سے
آگ میں جل کر بچایا خانداں کی لاج کو
مٹ ہی جانے کو تھی دستِ گردشِ ادوار سے
رکھ لیا تو نے ستی! ہندوستاں کی لاج کو

مہاتما گاندھی

بہت ہیں قابلِ تحسین وہ دلفگارِ وطن
وطن سے دور جو ہیں باعثِ وقارِ وطن
مٹا رہے ہیں جو خود اپنے نقشِ ہستی کو
جما رہے ہیں زمانے میں اعتبارِ وطن
غضب کے داغ ہیں غربت زدوں کے سینوں میں
کھلا ہوا ہے یہ صحرا میں لالہ زارِ وطن
دلوں میں آہ! وہ ان کے جراحتِ پنہاں
یہی وہ گُل ہیں کہ ہیں مایۂ بہارِ وطن
ابھی ہیں واقفِ سوز و فنا یہ پروانے
ہزار شکر! ہے روشن ابھی شرارِ وطن
ہزاروں غنچہ و گل وقفِ جورِ گلچیں ہیں
نہ مجھ گریۂ خونیں ہو کیوں ہزارِ وطن

چمن کے غنچے وہ معصوم بھارتی بچّے
وطن کے پھول حسینان گلعذار وطن
گئے نہتے چھوڑ کے گھر ان مصیبتوں کیلئے
اسی لئے کہ ہوں غربت میں افتخارِ وطن
ہزار حیف فلک! تیری کینہ بازی پر
ملائے خاک میں کیا دُرِّ شاہوار وطن
خدائے پاک کی رحمت جناب گاندھی پر
ہوئی ہے جس کی ہر اک آرزو نثارِ وطن
جسے نہ اپنی ہے پروا نہ بال بچّوں کی
فقط یہ دھن ہے کہ ثابت ہو اقتدارِ وطن

سوامی رام تیرتھ کی یاد میں

وحدت کی شمع سرد تھی مدّت سے ہند میں
کثرت طلسم پاش تھی کثرت سے ہند میں
اے رام تونے آکے اجالا سا کر دیا
مشعل جلا کے نورِ حقیقت سے ہند میں
امریکہ والے ہو گئے تجھ پر فریفتہ

کھچ کھچ کے آئے تیری محبت سے ہند میں
راہِ نجات پوچھنے آئے ہیں دور سے
اک نوجواں پیرِ طریقت سے ہند میں
راحت ملی کچھ ایسی کہ بس شانت ہو گئے
فردوس پا گئے تیری زیارت سے ہند میں
سرسبز ہو چلا تھا نہالِ امید پھر
اے ابرِ معرفت تری رحمت سے ہند میں
جس دن روانہ تو سوئے ملکِ بقا ہوا
وہ روز تھا زیادہ قیامت سے ہند میں
دل کا دھواں نکل گیا فرقِ ہمالہ سے
گنگا کا سینہ چاک ہوا زورِ نالہ سے

ناجور

غازیِ اِسلام

ایشیا کا گلشن ہستی تھا تاراجِ خزاں
گر رہی تھیں خرمنِ امن و اماں پر بجلیاں
دیر سے برپا تھا اک ہنگامۂ جور و فساد
بن رہے تھے پیکرِ ظلم و ستم یورپ نژاد
خاص کر مسلم کی دنیا درد سے لبریز تھی
ہر مصیبت اس کی اِک طوفانِ دہشت خیز تھی
جان کے پیچھے پڑے تھے چارہ سازِ مہرباں
ہو رہا تھا درد سے "بیمار یورپ" نیم جاں
نشۂ فتح و ظفر میں سارا یورپ چور تھا
بادِ نخوت سے سرِ یونان تک مغرور تھا
ایشیائے کوچک اک جانب تھا مصروفِ فغاں
تھا ادھر دار الخلافت پائمالِ دشمناں
ہو رہے تھے نذرِ غم اہل سمرنا و تھریس

سنگ دل جلاد کا یونان نے بدلا تھا بھیس
آسماں سے اُن پر آئی تھی مصیبت ٹوٹ کر
دربدر پھرتے تھے غربت میں وطن سے چھوٹ کر
کشور برطانیہ کا وہ خدائی فوجدار
زندگی چند روزہ کی طرح بے اعتبار
"حکم برداری" ہے جس کے جور کا مشہور نام
قوم ایوّبی سے لینا تھا صلیبی انتقام
مجلس اقوام میں وہ اہل عالم کا کفیل
کر رہا تھا قوم عثمانی کو برباد و ذلیل
دل تھا ٹکڑے مُسلموں کو گھر سے بے گھر دیکھ کر
ہوش اُڑے جاتے تھے یہ مایوس منظر دیکھ کر
جب مصیبت بڑھ گئی حد سے دل ناشاد پر
تب کیا مجبور فطرت نے خدا کی یاد پر
حق کا فرمانِ "ادعونی استجب" یاد آگیا
آرزو کی محفلِ یخ بستہ کو گرما گیا
اُس کو ڈھونڈا اپنے بیگانوں کو آخر چھوڑ کر
اُس سے جوڑا رشتۂ امید سب سے توڑ کر
اُس کے در پر جھک گئی ہر اک کی سیمائے نیاز
اُس سے رو کر عرض کی سب نے کہ اے بیکس نواز!

مُسلموں کو شکوۂ مِہر و محبّت تجھ سے ہے
آہ تیری بے نیازی کی شکایت تجھ سے ہے
اُمّتِ احمد کی دردانگیز بدحالی تو دیکھ!
اپنے کعبہ کے نگہبانوں کی پامالی تو دیکھ!
ہم سے تیری رحمتِ عالم اس قدر کیوں دور ہے؟
کچھ ہمیں معلوم تو ہو کیا تجھے منظور ہے؟
غیب سے آئی ندا اے قومِ شوریدہ مآل!
کر رہے ہیں خود ترے اعمال تجھ کو پائمال!
بن گئی ہے جب سے تو پابندِ کیشِ این و آں
اپنے مرکز سے بچھڑ کر ہو گئی بے خانماں
تجھ پہ لاتی ہے یہ روزِ بد تن آسانی تری
اپنے ہاتھوں سے ہوئی ہے خانہ ویرانی تری
تیری خودداری کا شہرہ تھا کبھی نزدیک و دور
سمجھے جاتے تھے مرادف دونوں مسلم اور غیور
اپنی بداعمالیوں سے آج ہے خوار و ذلیل
تیری خواری تیری بداعمالیوں کی ہے دلیل
بدشعاری سے نہ اپنے نفس پر تو جور کر
"لَیسَ لِلانسانِ اِلّا ما سعیٰ" پر غور کر
ہم سے برتی بے نیازی ہو گئی آخر تباہ

ہم سے سرکش ہو کے پائی بھی کہیں تو نے پناہ
اب کہ تو آئی ہمارے پاس سب کو چھوڑ کر
رُخ جہاں سے پھیر کر منہ ماسوا سے موڑ کر
سن رہے ہیں ہم جو دردِ دل سناتی ہے ہمیں
ہم بھی تیرے ہیں جو تو اپنا بناتی ہے ہمیں
تیری سب اجڑی ہوئی عظمت دلائینگے تجھے
اب کرشمے اپنی قدرت کے دکھائینگے تجھے
یک بیک کروٹ جو بدلی چرخِ نیلی فام نے
دیکھتے کیا ہیں کہ غازی مصطفیٰ ہے سامنے
محوِ حیرت ہوگئی ہر آنکھ اس کو دیکھ کر
پیکرِ انساں میں قدرت جلوہ گر آئی نظر
ہر طرف سے آرہی تھی یہ نویدِ دل نشین
"مصطفیٰ ما جاءَ اِلاَّ رَحمةً لِلعالَمِین"
آلِ عثمانؓ سے یہ پوچھا اُس نے اے روحی فداکِ
کس لئے تو ہو رہی ہے اس قدر اندوہناک
شامِ غم چھائی ہے کیسی تیری صبحِ عید پر؟
یاس کیوں طاری ہے تیرے مطلعِ اُمّید پر؟
قومِ نا اُمید رسوا ہوتی ہے اقوام میں
نا اُمیدی کفر ہے اے بے خبر! اسلام میں

آس توڑی جب کسی نے پھر نہیں کچھ اس کی خیر
یاس کر دے گی اُسے پامال بے امدادِ غیر
آیۂ "لاتقنطوا" پر غور کر قرآن میں
نکتۂ "الیاسُ موتُ الرُّوح" کو رکھ دھیان میں
خلوتِ دل کو اُمیدِ عیش سے آباد رکھ!
تجھ سے وعدہ "انتمُ الاعلون" کا ہے یاد رکھ!
کھے کے بہ اُس غارِ نکبت سے نکالا پھر انہیں
اپنے ضبط و نظم کے قالب میں ڈھالا پھر انہیں
منتشر شیرازۂ ملت کو یکجا کر دیا
یعنی ان قطروں کو اک طوفان برپا کر دیا
پھر یہ قومی فوج اپنا نام پیدا کر گئی
برقِ طوفاں تھی جدھر چمکی صفایا کر گئی
رُک سکا آگے نہ اس بڑھتے ہوئے طوفان کے
لی خبر ایسی کہ چھکے چھُٹ گئے یُونان کے
ہو گئے وہ ثابت قدم میدان میں جب اڑ گئے
شاہِ قسطنطین کو لینے کے دینے پڑ گئے
سر نگوں ہر سلطنت میں اُس کے جھنڈے کر دیئے
نعرۂ یُونان کے ترکوں نے ٹھنڈے کر دیئے
بن گیا پھر شعلہ زارِ جنگ گلزارِ حسن

شامِ غربت ہی سے پیدا ہوگئی صبحِ وطن

آہ لائڈ لارج کی دنیا میں بدنامی نہ پوچھ
گرگِ باراں دیدۂ یورپ کی ناکامی نہ پوچھ
مُسلم آزاری کی دُھن میں اپنی عزت کھو گیا
"چاہ کن را چاہ درپیش" آخرش سچ ہو گیا

آگیا اس وعدۂ زرّیں پہ مسلم کو یقیں
"مُصطفےٰ ما جاءَ اِلّا رحمۃً لِلعٰلمین"

اے سپہ سالارِ اعظم اے دبیرِ بے نظیر!
اے شہِ سیف و قلم اے غازیٔ گردوں سریر!
غازیٔ اسلام! فخرِ قومِ عثمانی ہے تو
شک نہیں اُمّت کے حق میں خالدِ ثانی ہے تو
جمع تجھ میں شانِ دارا شوکتِ اسکندری
عزمِ طارقؓ۔ سطوتِ فاروقؓ۔ زورِ حیدریؓ
یورپ افگن! ہے ادب آموزِ قسطنطین تو
دورِ حاضر کا ہے سلطانِ صلاح الدین تو
تیری تدبیروں سے یہ از غیب ساماں ہو گیا
دفعۃً شیرازۂ یورپ پریشاں ہو گیا
خود سری یورپ کی رکھی رہ گئی سب طاق میں
تو نے ہلچل ڈال دی معمورۂ آفاق میں

دھاک یورپ پر بٹھا دی تو نے اپنے نام کی
لاج رکھ لی تیری تیغ تیز نے اسلام کی

اے وہ یورپ نام جس کا ایشیا آزار ہے
اے کہ دنیا کے لئے اک فتنہ بیدار ہے
بڑھ چلا ہے حد سے تیری بربریت کا جنوں
مغربی تہذیب سے آنے لگی ہے بوئے خوں
نقش کر! دل پر کہ یہ تاریخ کا فرمان ہے
جو رہی مظلوم کی امداد کا سامان ہے
ظلم۔ ظالم سوز بن جاتا ہے خود انجام کار
بیکسوں کا خون ناحق سر پہ ہوتا ہے سوار
ایشیا جس کو کیا پامال تو نے اس قدر
تجھ سے اب آمادۂ پیکار آتا ہے نظر
اپنے خونخواروں پہ ہے تجھ کو بہت کچھ فخر و ناز
بے سر و سامان ترکوں کی بھی دیکھی ترکتاز؟

ملّت اسلام کے ان برق آشاموں کو دیکھ!
فطرتِ خوابیدۂ مُسلم کے ہنگاموں کو دیکھ!

جہانگیر اور اُس کا مقبرہ

انتخابِ ہفت کشور خطۂ پنجاب ہے — اور تو پنجاب کا اک گوہرِ نایاب ہے
یہ سپہرِ حسن تو خورشیدِ عالمتاب ہے — تیری پیشانی دل افروزِ اولوالالباب ہے
یہ جو محمل ہے تو اس کا صاحبِ محمل ہے تو
پہلوئے پنجاب میں کچھ شک نہیں ہے دل ہے تو

زندگی کی کشمکش سے جس کا جی گھبرا گیا — سیر سے جو اس تمنّا زار کی اُکتا گیا
جو ہجومِ غم سے گھبرا کر ترے پاس آ گیا — رازِ ہستی تو اشاروں میں اُسے سمجھا گیا
حل کیا تو نے یہ مضمونِ ادق اس کے لئے
بن گیا تو زندگی کا اک سبق اس کے لئے

ہو نہ کچھ تاریکیٔ انجام کا جس کو خیال — جس کے دل سے مٹ گئی ہو یک قلم یادِ مآل
نذرِ مستقبل ہوا جو بے خودِ ماضی و حال — جسکے حق میں زندگی بن جائے لاینحل سوال
اسکے دل سے پردۂ غفلت اٹھا دیتا ہے تو
سچ تو یہ ہے آدمی اس کو بنا دیتا ہے تو

اے شہنشاہِ جہانگیر! اے جہانِ حسن و عشق — تیرے حسن و عشق سے رنگیں بیانِ حسن و عشق

قبر تیری کعبۂ دلدادگانِ حسن و عشق | تیرا مرقد ہے مجسّم داستانِ حسن و عشق

زینت افروزئ رباب مروّت تجھ سے ہے
گرمئ ہنگامۂ بزمِ محبت تجھ سے ہے

وامق و عذرا کے قصے بن گئے ہیں نقشِ آب | لیلیٰ و مجنوں کے افسانے ہیں مضمونِ کتاب
داستانِ خسرو و شیریں ہے اک بھولا سا خواب | الغرض تاریخ حسن و عشق ہے رو در نقاب

ہاں مگر تیرے سبب اے شہریار حسن و عشق
آج تک ہے شہدرہ ہنگامہ زار حسن و عشق

غم پرستوں کی خبر لے اے شہ عشرت پرست | فاقہ مستوں کو بھی دیکھ اے شہریار بادہ مست
تیرے عہد امن کا زیر و زبر ہے بندوبست | جس کو دیکھو پھر رہا ہے آج وہ خنجر بدست

خواب راحت سے اٹھ اے آسودہ خواب گراں
دیکھ اپنی آنکھ سے بربادئ ہندوستاں

عہد زریں میں ترے اے خسرو ہندوستاں | لوگ کہتے ہیں یہ ویرانہ تھا اک جنت نشاں
اس کو فردوسِ بریں کہتے تھے کل اہلِ جہاں | تھا موافق اسکے ہر مقصد کے دورِ آسماں

غیرت گلشن تھا جنت نشاں یادش بخیر
تھا کبھی ہندوستاں ہندوستاں یادش بخیر

کل کے اُس جنت نشاں ہندوستاں کو آج دیکھ | آہ اس گلزار تاراج خزاں کو آج دیکھ
کھول آنکھ اس عبرت آبادِ جہاں کو آج دیکھ | اس کو دیکھ اس کے زمین و آسماں کو آج دیکھ

ہر روش اس کی مجسّم شکوہ تقدیر ہے
پتہ پتہ اس چمن کا درد کی تصویر ہے

ملکۂ نور جہاں

تو اے نورِ جہاں ہے برقِ طور جلوہ آرائی
تو اے نورِ جہاں ہے رونقِ چشمِ تماشائی
تو اے نورِ جہاں ہے حسنِ معنیٰ جانِ زیبائی
تو اے نورِ جہاں ہے دلکش اک تصویرِ رعنائی
ترا حسنِ جہاں آرا جہاں افروزِ الفت ہے
ترا مہرِ تجلّی آسماں افروزِ الفت ہے

ہے تجھ پر ہند نازاں نازشِ ہندوستاں تو ہے
نہیں کچھ ہند ہی پر منحصر نورِ جہاں تو ہے
جہاں اک پیکرِ بیجاں ہے اس پیکر میں جاں تو ہے
جہاں اک آسمان ہے آفتابِ آسماں تو ہے
تو ہی اے ماہ طلعت نور بخشِ چشمِ انجم ہے
ترا دریائے حسن اک محشرستانِ تلاطم ہے

درخشاں سطحِ راوی پر ہے تیری آب و تاب اب تک
درخشانی ہے تیری سرمۂ چشمِ حباب اب تک
ترے نظارے ہیں آسودۂ آغوشِ آب اب تک
ہے تیرا منتظر پانی میں عکسِ آفتاب اب تک
لبِ راوی کسی دن دیکھ پائی تھی جھلک تیری
کلیجے سے لگائے پھرتی ہیں موجیں چمک تیری

جہانداری کو تیری مانتا ہے ہر عقیل اب بھی
ہیں تیرے کارنامے کاردانی کی دلیل اب بھی
مسلّم کشور آرائی تری ہے قال و قیل اب بھی
مورخ کی زباں پر ہے ترا ذکرِ جمیل اب بھی
زمیں گیری نے تیری کی ہے حاصل آسماں گیری
شکستہ قبر تیری دیتی ہے درسِ جہاں گیری

لگی ہے چپ تجھے لیکن زبانِ حال گویا ہے
تری خاموشیٔ مرقد میں بھی اک بات پیدا ہے

تو زیرِ خاک ہے پھر بھی زیارت گاہِ دنیا ہے
شکستہ قبر تیری کعبۂ چشمِ تماشا ہے

زمینِ شاہدرہ! تو ہے حریفِ چرخِ مینائی
کہ تجھ میں دفن ہے ہندوستاں کی شور آرائی



حضرت مولینا ظفر علی خاں مدیر اخبار زمیندار

یہ تصویر بمقام لندن ۱۹۱۲ء میں لی گئی

ظفر علی خان

آقا رضا خاں پہلوی

عجم کا فخر تو ہے نازشِ ہندوستاں تو ہے
ہمارے مشرقی خمخانہ کی مہروفشاں تو ہے
سر پر آرائے دہلی ہے ابھی تک ملت بیضا
کہ اب تک یادگارِ دولتِ شاہ جہاں تو ہے
ابھی تک تازہ ہے افسانہ عالمگیر اعظم کا
اور اس افسانۂ رنگیں کی سرخی بیگماں تو ہے
کبھی چھایا فلسطیں پر کبھی برسا سمرنا میں
وہ نیسانِ کرم تو ہے وہ ابرِ درفشاں تو ہے
تجھے دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیمبر کی
خدا ہو مہرباں تجھ پر کہ ہم پر مہرباں تو ہے
جزاک اللہ کہ رونق تجھ سے قائم ہے شریعت کی
حماک اللہ کہ ناموسِ نبی کا پاسباں تو ہے

نہ سنگِ راہ کا کھٹکا نہ خوفِ دوریِ منزل
ہیں بے غم قافلے والے کہ میرِ کارواں تو ہے
مبارک ہو یہ عید اے خسروِ گردوں حشم تجھ کو
مسلماں ہیں اگر انجم تو ماہِ آسماں تو ہے

شریمتی سروجنی نائیڈو

آنکھیں ہوئی ہیں خیرہ سورج کی روشنی سے
مانگا یہ نور اس نے شاید سروجنی سے
ہندوستان والو پیارا وطن تمہارا
خالی نہیں ہے اب بھی مینا و پدمنی سے
حکمت کے جو خزانے اس خاک میں چھپے ہیں
ان کا نشاں ملا ہے ہیرے کی اک کنی سے
ہاں اے عروسِ معنی تجھ سے ہی کیوں نہ سیکھیں
نکتہ تہمتنی کا اپنی فروتنی سے
تیرا ہر اک ترانہ ہے زیست کا خزانہ
تو ہے تو ہم کو کیا ڈر دولت کی دشمنی سے
سارے چمن کے اندر اک گونج سی ہے پیدا
اے عندلیب شیدا تیری نوازنی سے
تیری زبانِ شیریں وہ کام کر دکھائے
جو ہو سکے نہ ہرگز تلوار کے دھنی سے
دامن ترا زر افشاں چھو بھی لیا ہے جس نے
اندیشہ کیا ہو اس کو گردوں کی رہزنی سے

مجاہدِ ملت غازی امان اللہ خاں مدظلہ العالی

بھری محفل میں پھر اپنی دل آرا داستاں کہئے
پھر اپنے بخت کو اور اپنی دولت کو جواں کہئے
کہاں تک شکوۂ بے مہرئ دورِ فلک لکھئے
کہاں تک قصۂ بیدادِ ابنائے زماں کہئے
سپردِ خامہ کیجے ملتِ بیضا کی شوکت کو
اور اس کے زندہ پیکر کو امان اللہ خاں کہئے
جسے لکھئے کبھی اورنگ زیب اس دورِ فرخ کا
جسے اپنے زمانے کا کبھی الپ ارسلاں کہئے
مسلمانانِ مشرق کی امنگیں اس سے قائم ہیں
اُسے ہندوستاں کے بے زبانوں کی زباں کہئے
لگائے چار چاند اسلام کو اس کی عزیمت نے
اُسے شرعِ نبی کی آبرو کا پاسباں کہئے
سپہرِ علم و حکمت ہے اگر معمورۂ کابل
تو اس کو ماہ کہئے، مہر کہئے خاوراں کہئے
مسلماں آج بھی ہیں زندہ جس کا نام لے لے کر
اُسے اس سطوتِ کبریٰ کی رفعت کا نشاں کہئے

بہایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اُسے دینِ حجازی کا وہی سیلِ رواں کہیے
کبھی غرناطہ و غزنی کو جس بجلی نے تڑپایا
وہ چشمک زن ہے خیبر کے سوا اور اب کہاں کہیے

اعجاز

ہدیہ محبت

پھول ہی پھول اس پہ برساؤ
آنکھ سے اشکِ خوں نہ ٹپکاؤ
پھول ہی پھول اس پہ برساؤ
ذکر گور و کفن کا مت لاؤ
خواب راحت میں یہ تو سوتی ہے
نیند یہ کب نصیب ہوتی ہے

کاش مجھ کو بھی چین یوں مل جائے
دلِ بیتاب کو سکوں مل جائے

اس سے اہلِ نشاط خواہاں تھے
ہر گھڑی خندہ و تبسم کے

اس نے ہنس ہنس کے ان کو شاد کیا
نامرادوں کو بامراد کیا

اُس نے پھولوں کے کر دئے انبار
اُس نے دنیا کو کر دیا گلزار

خستہ دل تھی مگر یہ بیچاری
زندگی سے بہت تھکی ہاری

ہو گئی ہے جواب یہ زار و نزار
ہو گئے سب کنارہ کش یکبار

عمر سب صرفِ پیچ و تاب رہی
ہائے کیا زندگی خراب رہی

دل میں اک کشمکش مدام رہی
ایک چکر میں صبح و شام رہی

اس سے غافل طرب پرست رہے
خندۂ ظاہری پہ مست رہے

ماندۂ رنج راہِ ہستی تھی

عافیت کو سدا ترستی تھی
اب یہ آغوشِ عافیت میں ہے
عافیت خوب عافیت میں ہے

طائرِ روح آسماں پرواز
کس طرح لائے تاب قید دراز
قفس تنگ ہے بلا ہوتا
سانس گھٹتا ہے دم خفا ہوتا

چھوڑ کر جسم کو روانہ ہوا
اور مرض کا تو اک بہانہ ہوا
قید غم سے ہوئی ہے یہ آزاد
وسعتِ عالمِ بقا میں شاد

خلد میں اب یہ راج کرتی ہے
خلق یاد اس کو آج کرتی ہے

اختر

نذرِ عقیدت

لسان العصر مولانا اکبر آبادی کے مزار پر دو آنسو

آج کوئی حورِ قدرت کی زباں لا دے مجھے
بربطِ ناہید کا رنگین بیاں لا دے مجھے
ہاں، بجائے خامہ تارِ کہکشاں لا دے مجھے
صفحۂ کاغذ کے بدلے آسماں لا دے مجھے

سجدہ زارِ عرش سے سجدے اٹھا لائے کوئی
بوسہ گاہِ خلد سے بوسے چرا لائے کوئی

رونے والے بادلوں سے اشکباری سیکھ لوں
برق کی بیتابیوں سے بیقراری سیکھ لوں
گیسوئے لیلائے شب سے سوگواری سیکھ لوں
سیکھ لوں اچھی طرح میں آہ و زاری سیکھ لوں

الفراق اے صبر اب ضبطِ فغاں دشوار ہے
المدد اے چشمِ تر اک جوئے خوں درکار ہے

آستانِ اکبرِ اعظم پہ جانا ہے مجھے
سجدہ گاہِ شاعری پر سر جھکانا ہے مجھے
پھول اک ذوقِ ارادت کا چڑھانا ہے مجھے
نغمہ کی صورت میں اک آنسو بہانا ہے مجھے

آج اس در پر تخیل مائلِ نظارہ ہے

جس کا ہر ادنیٰ سا ذرہ نہ فلک گہوارہ ہے

اے لسان العصر! اے "پیر مغانِ شاعری" ‏ اے کہ تو ہے آفتابِ آسمانِ شاعری
خلد ساماں تیرے نغموں سے جہانِ شاعری ‏ تیرا اک اک نقطہ ہے روحِ روانِ شاعری

"دو جہاں پیما" تری تخییل کا نظارہ ہے
تیرے دشتِ فکر میں روح الامیں آوارہ ہے

تو نے خارستانِ اردو کو گلستاں کر دیا ‏ رنگ زارِ نظم کو جنت بداماں کر دیا
شمعِ حسنِ فکر کو مہرِ درخشاں کر دیا ‏ خاکدانِ شاعری کو عرش ساماں کر دیا

تیرے سحرِ شاعری سے اک جہاں مسحور ہے
تیرے نغموں سے فضائے زندگی معمور ہے

بلبلِ ایراں پہ اس کے گلستاں کو فخر ہے ‏ غالبِ مرحوم پر ہندوستاں کو فخر ہے
شکسپیئر پر مغربی پیر و جواں کو فخر ہے ‏ گوئٹے پر سرزمینِ آلماں کو فخر ہے

تجھ پہ لیکن کل زمین و آسماں کو ناز ہے
کیا زمین و آسماں دونوں جہاں کو ناز ہے

گلشنِ ہستی میں تیرا "ہمنوا" کوئی نہیں ‏ بربطِ فطرت میں تیری سی صدا کوئی نہیں
تجھ سے بڑھ کر حسنِ فطرت پہ فدا کوئی نہیں ‏ تجھ سے بہتر عشق کا در آشنا کوئی نہیں

سازِ رنگینِ حقیقت پر نوا گستر تھا تو!
شاعری کی فلسفی دنیا کا پیغمبر تھا تو!

وفا

لوکمانیہ تلک مہاراج کی وفات

ہیں اینڈریوز ولاجپت وگھوش اسیرِ غم　　حق مبتلائے آتش سوزِ دروں ہے آج
آفت ہے چکرورتی و کچلو کی جان پر　　تیرِ ملال سے جگر داس خوں ہے آج
مخدومِ ملک و قوم تلک آج مر گیا
ہندوستان کا شہ بے تاج مر گیا

حکمت نہ کارگر ہوئی کوئی طبیب کی　　خالی گئیں دعائیں امیر و غریب کی
صورت پذیر ہو کے رہا وہ مآل کار　　دہشت تھی جس الم کے خیال مہیب کی
ڈھایا اب ایک اور ستم ہم پہ اے فلک　　تو نے ہمارے غم کی تلافی عجیب کی
صدمہ پڑا ہے مرگِ تلک کا جو تجھ پہ آج　　گردش ہے آہ یہ بھی ہمارے نصیب کی
کرنا پڑیگا شکر ہی پروردگار کا
اب کاٹنا ہے زندگی ناگوار کا

آتی ہے پیش جس کی ضرورت نہیں رہا　　دنیا جو ساتھ وقت مصیبت نہیں رہا
بن پڑتا تھا نہ جس کی دلائل کا کچھ جواب　　کھاتی تھی جس سے خوف حکومت نہیں رہا

ہوتا تھا جس سے جبر پسندوں کا دم خطا
وہ نکتہ چین اہل رعونت نہیں رہا
بیڑا ہمارا پار لگائیگا کون اب
وہ آشنائے بحر سیاست نہیں رہا
ظاہر کریگا کون ہماری شکایتیں
وہ عالم قلوب رعیت نہیں رہا
جاری جو رکھتا آہ اسی شد و مد کے ساتھ
تحریک حریت کی اشاعت نہیں رہا

آئین شناس حق طلبی ایک ہی تھا وہ
جس نے کبھی نہ کی غلطی ایک ہی تھا وہ

وہ ایک تھا معاملہ دان مدبری
دانندۂ رموز نہان مدبری
وہ ایک یکہ تاز تدبر تھا ہند میں
تھی ہاتھ میں اسی کے عنانِ مدبری
اعدا کو اعتراف ہے اسکے کمال کا
نازاں تھی اس کی شان پہ شانِ مدبری
ابن السبیل منزل تدبیر کے لئے
نقش قدم ہیں اس کے نشانِ مدبری
اپنی طرف سے پیش کریں کسکو آج ہم
اترا رہے ہیں مدعیانِ مدبری
اس خلد آشیاں کیلئے مجھ کو اے وفا
ہونا پڑا ہے مرثیہ خوانِ مدبری

ایسا بشر ہو تیر اجل کا شکار حیف!
افسوس ہے زمانۂ ناسازگار حیف!

نظیر

شاہ امان اللہ خاں غازی

اَے امان اللہ خاں اے غازیٔ دین مبین
جبہ سا ہے تیرے سنگ در پہ ہر بالانشیں
قوم افغانی گراں تر نوع انسانی میں ہے
اور تو سالار اعظم قوم افغانی میں ہے
تیری دارائی سے مغرب لرزہ براندام ہے
ایشیا کے بیشہ میں تو ضیغمِ اسلام ہے
علم کو چمکا دیا تیرے عمل کے نور نے
کر دیا زندہ شریعت کو ترے دستور نے
تیری محفل عدل کی تنویر سے رخشندہ ہے
چرخ آزادی پہ تو اک اختر تابندہ ہے
تیرے ہنگاموں سے غوغائے جہاں خاموش ہے
عہد تیرا عہدِ فاروقیؓ سے ہم آغوش ہے

ہمشیرہ مرحومہ کی یاد میں

ایک حیرت ہے بزمِ امکاں میں — کس قدر طاقتیں ہیں انساں میں
دوڑتا ہے فضائے گردوں میں — کود جاتا ہے نیل و جیحوں میں
ذرہ عرش تک رسائی ہے — ہر ستارے سے آشنائی ہے
آسمانوں کو دیکھ بھال لیا — خوں رگِ مہر سے نکال لیا
بھر لئے آستیں میں شمس و قمر — چھین لی دورِ آسماں سے سحر
سینۂ بحر پر یہ رنگِ خرام — ہند میں ہے سحر تو مصر میں شام
حیدرآباد میں مکاں ہے مرا — اور پشاور میں ہمزباں ہے مرا
اپنے اپنے مکاں میں بیٹھ کے ہم — روز کرتے ہیں گفتگو باہم
بحر میں جو گہر فروزاں تھے — دور گہرائیوں میں پنہاں تھے
مہوشوں کے گلے کے ہار میں ہیں — قبضۂ تیغِ آبدار میں ہیں
قعرِ دریا سے اُن کو لے آیا — یہ ہے انسان خاک سرمایہ
دفن تھا خاک میں جو گنجِ گراں — کر دیا اس کو آدمی نے عیاں
قوتیں جو ملک نہیں رکھتے — مہر و ماہ و فلک نہیں رکھتے
دیو میں ہیں نہ شیرِ غراں میں — جمع ہیں آب و خاک انساں میں
قدسیوں کو بھی جن کا علم نہیں — جن سے ناآشنا ہیں عرش مکیں

راز سب کھل چکے ہیں سرتاسر

اس نحیف الوجود انساں پر

موت کا راز ہے وہ راز کہ ہم
جس سے رکھے گئے ہیں نامحرم

بادشاہوں کی سلطنت نہ رہی
کجکلاہوں کی تمکنت نہ رہی

مصر و بابل کی داستاں بھی نہیں
ہیکل و روم کا نشاں بھی نہیں

زار و جم سو رہے ہیں زیر زمیں
گم ہیں ہندوستاں کے تخت نشیں

دلبران سحر جمال بھی خاک
عاشقانِ شکستہ حال بھی خاک

ہو گئے علم اس مقام پہ ختم
روزِ روشن ہو جیسے شام پہ ختم

ہو گئے دور دل سے صبر و قرار
عقل کرتی ہے عجز کا اقرار

پردہ اس راز سے ہٹا ہی نہیں
اس مرض کی کوئی دوا ہی نہیں

ارشد تھانوی

شبیہ غالب

سامنے آنکھوں کے کس کا پیکرِ تصویر ہے
جس کی خاموشی میں بھی اک لذّت تقریر ہے
دیکھنے والے پہ طاری ہے ارادت کا وفور
چشم نظارہ کو حاصل ہے زیارت کا سرور
آہ! یہ ہے غالبؔ جنّت نشیں خلد آشیاں
باعث اعزازِ دلّی۔ نازشِ ہندوستاں
جو نظیر اپنی تھا خود اس عالمِ ایجاد میں
اور اب خوابیدہ ہے خاک جہاں آباد میں
زندگی بھر جو رہا سرمستِ صہبائے سخن
مرتے مرتے بھی نہ چھوڑا جام و مینائے سخن
مر گیا لیکن ہجومِ شوق باقی رہ گیا
مٹ گیا پھر بھی وفورِ ذوق باقی رہ گیا

آہ! اے جلوہ فروز روئے زیبائے سخن
تو وہ مجنوں تھا، فدا تھی جس پہ لیلائے سخن
تجھ سے اردو کا ہوا روشن چراغ شاعری
آسماں پر تو نے پہنچایا دماغ شاعری
شاعرانہ کیفیت دے کر عوام النّاس کو
تو نے زندہ کر دیا موسیقیِ احساس کو
تو بہارستانِ وجدانی کو لایا جوش میں
اور کی تحریک پیدا فطرتِ خاموش میں
دل میں جذباتِ لطیفہ کا تلاطم کر دیا
روح کو ممنون اندازِ تبسّم کر دیا
فلسفہ رنگِ تصوّف کا عیاں تجھ سے ہوا
عام فیضِ لطف و ادراکِ نہاں تجھ سے ہوا

عزیز

چند آنسو

طاہرہ! اے غنچۂ نخلِ گلستانِ عزیز
طاہرہ! اے گوہرِ شب تابِ امانِ عزیز
اے چراغ جلوہ افروز شبستانِ عزیز
اے عزیزِ خاطرِ ناشاد اے جانِ عزیز

آہ! قبل از وقت یہ کیسی قیامت آگئی
میرے گلشن کی کلی کیوں بے کھلے مرجھا گئی

تیرا ہنسنا اور ہمکنا سلطنت سے کم نہ تھا
وہ مرقع تھی خوشی کا جس میں نقشِ غم نہ تھا
کیا ترے رہنے کے قابل گلشنِ عالم نہ تھا
ہاں تری مونس نہ تھی کیا میں ترا ہمدم نہ تھا

مرنے والی میرے حق میں آہ کانٹے بو گئی
لٹ گئی میری کمائی میری دولت کھو گئی

رنجِ دنیا سے ہوئی آزاد تو اے شاد کام
کھیلتی ہے گود میں حوروں کے اے جنت مقام
سوزِ باطن سے مرا سینہ جلے گا صبح و شام
تیرے چھالے پھوٹ کر دل میں ابھر آئے تمام

میری آنکھو! اب نہ کرنا انتظارِ طاہرہ
یہ ستارے حشر تک ہیں یادگارِ طاہرہ

اے نشاطِ جان و دل اے زندگانی کی بہار — تجھ کو بے ماں کے نہ آنا تھا کسی دم بھی قرار
اب وہی ماں رو رہی ہے تیرے غم میں زار زار — ہنس تو دے صورت دکھا کر ایک بار اے گلعذار

پھر کھلا دے غنچۂ دل سخت افسردہ ہوں میں
زندگانی ہے برائے نام اب مردہ ہوں میں

طاہرہ اب ماں کو تیری غم میں سمجھاؤں گا کیا — کھو کے ملتی ہی نہیں جو شے اسے پاؤں گا کیا
جا نہیں سکتا ترے نزدیک میں جاؤں گا کیا — تو بلانے سے نہ آئیگی تجھے لاؤں گا کیا

سوچتا ہوں تیرے پاس آؤں مگر طاقت نہیں
روٹھنے والی منانے کی کوئی صورت نہیں

کس قدر تکلیف میں تو نے گذارے تین دن — آہ یہ چھالے یہ موسم یہ حرارت اور یہ سن
امتحانِ سخت تھا خوش ہو گیا خود ممتحن — جھیل لیں یہ سختیاں جس وقت ہو کر مطمئن

پردۂ شب میں ہوئی تو راہیِ باغِ جناں
اس لئے تاریخِ غم بھی ہے "شبِ غم سے عیاں"

۱۳۴۲ھ

ایک دیرینہ نیازمند

عقیدت کے چند پھول حضرت ظفر الملت کی خدمت گرامی میں

اے ظفر! تو آفتاب ملت اسلام ہے
تیری تابانی ظہورِ صبح کا پیغام ہے
مزرعِ ویراں کو فرشِ گل بنا سکتا ہے تو
خواب سے امیدِ ملت کو جگا سکتا ہے تو
زمزمہ پیرا ہو پھر اے بلبلِ باغ کہن
پھر ترے نغموں سے ہو معمور پہنائے چمن

رفعتِ ملت کے محور پر چمکتا رہ یونہی
خار بن کر چشمِ اعدا میں کھٹکتا رہ یونہی

منتظر آنکھوں کو تھا تیری ضیا کا اشتیاق
یعنی ان کلیوں کو تھا بادِ صبا کا اشتیاق
اٹھ چمک پھیلا پھر اپنی روح پرور روشنی
اس سیہ خانے میں بھی ہو جائے یکسر روشنی
کارواں ہے دشتِ ہو میں رہنما کا منتظر
ہر مسافر ہے تری بانگِ درا کا منتظر

طنجہ و دہلی ہیں پھر بیتاب ملنے کیلئے
غنچہ ہائے آرزو مضطر ہیں کھلنے کیلئے

حامد حسن

میر ۔ غالب ۔ اقبال

تین شاعر مختلف اوقات میں پیدا ہوئے
جن کی فیض طبع نے اُردو کو گنج زر دیا
اک اثر میں بڑھ گیا اک رفعتِ تخییل میں
تیسرے کی ذات میں دونوں کو حق نے بھر دیا
کائناتِ شاعری ہیں بس یہی دو نو کمال
تیسرے میں اِس لئے دونو کو یکجا کر دیا

فاخر ہریانوی

ایک مرحوم دوست کی یاد میں

موت نے وہ جام مدہوشی تجھے بھر کر دیا
خونِ جاری کو رگوں میں جس نے پتھر کر دیا
کھا گئی کس کی نظر عہدِ جوانی میں تجھے
لے گئی موت اُس سمندر کی روانی میں تجھے
جس کی تہ سے ڈوب کر کوئی بشر اُبھرا نہیں
کوئی کتنا ہی شناور ہو مگر اُبھرا نہیں

حُسنِ رنگیں کار کا اعجاز مردہ ہو چکا
پھُول ڈالی پر کھِلا کھِل کر فسردہ ہو چکا
کر دیا تقدیر نے باطل فسانہ شوق کا
درہم و برہم ہوا سب کارخانہ شوق کا
بھرتے بھرتے عمر کا پیمانہ آخر بھر گیا

رہ گیا افسوس باقی مرنے والا مر گیا

ہاؤ ہُو کا شور ہے میخانۂ ایّام میں
ہے شراب زندگی تھوڑی بہت ہر جام میں
پی رہے ہیں رِند لیکن محتسب کا ڈر بھی ہے
پاکدامانی کا بھی دعوٰے ہے دامن تر بھی ہے

ناچتی پھرتی ہیں شکلیں اس تماشا گاہ میں
ہو رہا ہے جشنِ شادی زِندگی کی راہ میں
ہنس رہی ہے موت لیکن یہ تماشا دیکھ کر
زِندگی اور زِندگی کا شور و غوغا دیکھکر

جانتا ہُوں میں زمانے کا یہی دستور ہے
آدمی مجبوُر ہے تو مَوت بھی مجبور ہے
برق ہے موجود ہر اک آشیانے کیلئے
اُٹھتی ہیں دریا میں لہریں بیٹھ جانے کیلئے
کر رہی ہے ہر سحر پیشینگوئی رات کی
موت کے اجزا سے ہے ترکیب موجودات کی
خشک ہو جاتا ہے دریاؤں میں پانی خودبخود

بند ہو جاتی ہے چشموں کی روانی خود بخود
باغِ ہستی میں عنادل کا ترنّم کچھ نہیں
جیبِ غنچہ میں یہاں بیش از تبسم کچھ نہیں
رنگ انساں کیا بدلتا ہے زمانے کی طرح
ایک دن پس جائیگا چکّی کے دانے کی طرح
موت کی طغیانیوں میں زندگی رہتی نہیں
آسماں پر جب ہوں بادل چاندنی رہتی نہیں
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے
ہے اگر قائم ہمیشہ تو اُسی کی ذات ہے
موت کا آنا اٹل ہے عمر کی بنیاد سُست
مانتا ہوں میں کہ یہ بھی ٹھیک ہے وہ بھی درست
لیکن اِس سے دل کی کچھ تسکین تو ہوتی نہیں
خاک میں بھی رل گیا موتی تو کیا موتی نہیں
چل دیا تو دل میں تیری یاد باقی رہ گئی
اِس شکستہ ساز میں فریاد باقی رہ گئی

جستجوئے ناکام

سرود آبشار ہے
ہوائے مرغزار ہے
بہار لالہ کار ہے
طیور نغمہ ریز ہیں نوائے جوئبار پر
تڑپ رہی ہے زندگی ہر ایک شاخسار پر
تمام کائنات خوش
ہر ایک ذی حیات خوش
کھلا ہوا ہے گلستاں شفق کے لالہ زار میں
مچل رہی ہیں ندیاں کنار کوہسار میں
نگاہ پھول چن رہی ہے موسم بہار میں
فضائیں مشکبار ہیں
ہوائیں بیقرار ہیں
رواں ہیں بادلوں کے قافلے ہوا میں ہر طرف
سرور لٹ رہا ہے نیلگوں فضا میں ہر طرف
مگر یہ آنکھ جس کو ڈھونڈتی ہے وہ کہیں نہیں

(۲)

ہے شورشِ جہاں وہی
زمیں وہی زماں وہی
نجوم و کہکشاں وہی
ہیں کرہ ہائے نور سب رواں دواں اُسی طرح
زمیں پہ ہے جھکا ہوا یہ آسماں اُسی طرح
ہے شام اور سحر وہی
ہر ایک رہگذر وہی
فضا میں سانس لے رہی ہے کائنات اُسی طرح
جہان پر محیط ہے خدا کی ذات اُسی طرح
فریب زندگی وہی غمِ حیات اُسی طرح
بہار اور دے وہی
وہی ہر ایک شے وہی
نکلتا ہے افق سے روز آفتاب اُسی طرح
ہیں جلوہ ہائے صبح و شام بے حجاب اُسی طرح
مگر یہ آنکھ جس کو ڈھونڈتی ہے وہ کہیں نہیں

(۳)

سرود و مے کو چھوڑ کر
بہار و دے کو چھوڑ کر

ہر ایک شے کو چھوڑ کر
فریب جستجو لئے طلسم رنگ و بو لئے
دلِ خراب و زار میں جہانِ آرزو لئے
چلا گیا مزار میں
لحد کے تنگ غار میں
زمین نے دیا تھا اور زمیں ہی اُس کو کھا گئی
گیا اور اُس کے ساتھ ہی محبت و وفا گئی
یہ وہ غریب تھا جسے وطن میں موت آگئی
فضول رو رہا ہے دل
یہ کس کو ڈھونڈتا ہے دل
نگاہ اشکبار ہے ۔ مٹے ہوئے سراغ پر
بہار رو رہی ہے اِک ۔ خزاں رسیدہ باغ پر
ہے سوگوار روشنی بجھے ہوئے چراغ پر

مرثیہ سی ۔ آر ۔ دیش بندھو داس

خون رو اے حریت تیرا پرستار اُٹھ گیا
آہ دنیا سے صداقت کا طلبگار اُٹھ گیا
تو بھی میرے ساتھ مل کر گردشِ ایام رو
اے اسیرِ حلقۂ زنجیر صبح و شام رو
تو بھی رو اے ہند تو نے اس کو پالا تھا کبھی
یہ چراغ کشتہ اس گھر کا اُجالا تھا کبھی

وہ پڑا ہے دیش بندھو کا جنازہ سامنے
دے دیا ہے موت کا خلعت اسے ایام نے
دیش بندھو داس ! تو کس نیند میں مدہوش ہے ؟
رو رہی ہے قوم تجھکو اور تو خاموش ہے
ہے تجھے گر ہند کی حالت کا کچھ احساس اُٹھ
عہد آزادی کے جویا دیش بندھو داس اُٹھ

دیوتا تھا اصل میں تو یا کوئی اِنسان تھا

کچھ بھی تھا لیکن یہاں دو روز کا مہمان تھا
روح تھی اک جسم کے تاریک کاشانے میں قید
جیسے دیوانہ ہو کوئی تنگ ویرانے میں قید
ایک مشعل تھی فروزاں زندگی کے فرش پر
اب فرشتے لے گئے جس کو اُٹھا کر عرش پر
ایک چشمہ بہ رہا تھا وقت کے آغوش میں
ہو گیا ناپید ابد کے قلزم خاموش میں
تک رہی تھی آسماں کو دُور سے ہستی تری
آسماں سے آج ہم آغوش ہے ہستی تری
قومیت کیوں رُوح کے ماتم میں سینہ چاک ہے
مُوت کے دامن میں گیا ہے ایک مُشتِ خاک ہے

منجمد خُون اب رگوں میں گرم ہو سکتا نہیں
لاکھ روئیں موت کا دل نرم ہو سکتا نہیں
زندگی کو اب طلب کرنے سے کچھ حاصل نہیں
یہ جہاں اک راستہ ہے دائمی منزل نہیں
رات دن پھرتا رہا غربت میں آوارہ بہت
یہ مسافر تھا حقیقت میں تھکا ہارا بہت
لینے دو آرام اسے منزل پہ پہنچا ہے ابھی

یہ سفینہ دامنِ ساحل پہ پہنچا ہے ابھی

یہ کواکب یہ فضا کے دور افتادہ چراغ
خواب گاہِ چرخِ مینائی کے شب زادہ چراغ
دیدۂ تقدیر موجودات بیناان سے ہے
خواہش موت ان سے جینے کا تقاضا ان سے ہے
یعنی ان تاروں میں پوشیدہ ہیں اسرارِ حیات
آسماں کے ساتھ گردش میں ہے پرکارِ حیات
محفلِ انجم نہیں فطرت کا گنجینہ ہے یہ
عقل کی محدود ہمّت کے لئے زینہ ہے یہ
عقل واقف ہے نظامِ ثابت و سیّار سے
باخبر ہے آسماں کے گنبدِ دوّار سے
وقت لیکن موت کا یہ بھی بتا سکتی نہیں
عقل کے ادراک میں یہ چیز آسکتی نہیں
ہوتی ہے باقاعدہ اوقات کی تقسیم بھی
سال کے آغاز میں بنتی ہے اک تقویم بھی
زندگی کے اس خیالی جال پر ہنستی ہے موت
آدمی اور اس کے ماہ و سال پر ہنستی ہے موت

موت کے خاموش پہرے کی طرح ہے رات چُپ
سینۂ ہستی میں ہے اک محشرِ جذبات چُپ
ہے فلک پر آسماں زادوں کی سب محفل خموش
تو بھی ہو جا رات بھر کے واسطے اے دل خموش

رِثْنی

ماتمِ داس

داس ! اے میدانِ آزادی کے یکتا شہسوار
داس ! اے فخرِ وطن ! اے افتخارِ روزگار
تیرے غم میں، اے بہارِ گلشنِ جنّت نشاں !
ابر دریا بار ہے، اب دیدۂ خونبابہ بار
تیری فرقت میں حریفِ برق ہے پہلو میں دل
یاد تیری ہے جگر میں دشمنِ صبر و قرار
عشقِ آزادی بنا جب دل میں تیرے برقِ شوق
شمعِ آزادی پہ آخر مٹ گیا پروانہ وار
وائے بر حال ان غریبوں کے کہ ہیں پامالِ فقر
آہ جن کے حال سے ہیں بے خبر سرمایہ دار
کون اب ان کی خبر گیری کریگا تیرے بعد
اپنی جانب کس کو اب کھینچے گا ان کا حالِ زار
تھی وطن کے واسطے تیری فغاں فریاد خیز

تیرے نالے عشقِ آزادی میں درد آموز گار
سچ یہ ہے اِس برِاعظم میں نہیں تجھ سا کوئی
جاں فروش و جاں فروز و جاں فگار و جاں نثار
جب تلک تھا قطرہ تو محدود تھی ہستی تری
بحر میں مل کر بنا تو بحرِ ناپیدا کنار
وہ رُخِ روشن گیا نیرنگیاں اس کی گئیں
تیرے آئینے نے لے رکھے تھے جلوے سنگار
امتیازِ بادہ و مینا ہوا آخر تجھے
زندگی کیا ہے؟ مئے جامِ ازل کا ہے خمار
اے گُلِ پژمردہ! ہوگی پھر سے تعمیرِ چمن
اے خزاں دیدہ! خزاں تیری ہے عنوانِ بہار
در چمن آزادِ آئینِ چمن بودی ہمے
چوں صبا با لالہ و با یاسمن بودی ہمے

حامد علی خان

کی یاد میں....

کھڑی ہے موت اے جانِ تمنا ! سامنے میرے
نویدِ زندگانی بن کے آجا سامنے میرے
مجھے کرنی پڑی ہے لالہ کاری تیری تربت پر
قیامت ہے کہ ہو یہ حشر برپا سامنے میرے

تجھے مجھ سے نہاں رکھتا ہے پردہ زندگانی کا
نہیں غم مجھ کو ہے کب تک یہ پردہ سامنے میرے
وہ محفل جس میں تو تھا مدتیں گزریں ہوئی برہم
مگر اب تک ہے رنگ اُس انجمن کا سامنے میرے
مجھے بھولی نہیں وہ داستانِ اوّلیں اب تک
نثار اُس پر ہوں جو لے نام تیرا سامنے میرے
کیا کرتا ہوں باتیں تجھ سے میں اب بھی تصور میں
نہ ہو جب کوئی تو ہوتا ہے گویا سامنے میرے

شمیم

مذہبوں کے پیشوا

ہر پیشوا کا جوہر ہوتا ہے پاکبازی — عزت کا مستحق ہے ہندی ہو یا حجازی — مطلع
تو وشنو کی مورت تو زندگی جہاں کی — تو موت راکھشوں کی تو شہسوار غازی — رامچندر جی
بھگتی تری ہے مارگ مرلی تری بلا کی — تو نے کیا حقیقی جو عشق تھا مجازی — کرشن جی
تو آشتی سراپا تو دیوتا اماں کا — رخصت جہاں سے ہوگی دیرینہ ترکتازی — گوتم بدھ
کی آشکار تو نے پیکار نیک و بد کی — ہر بات میں ہے تیری انداز دلنوازی — زرتشت
تھا قول تیرا محکم جان اپنی تو نے دیدی — قربان ہوگیا تو اور لے گیا ہے بازی — حضرت عیسیٰؑ
تو ایلچی خدا کا تیرا ہی یہ اثر تھا — جو دور تھے خدا سے وہ بن گئے نمازی — حضرت محمدؐ
تو معرفت کا جویا تھا غرق اس میں ایسا — دیتے ہیں شبد تیرے تعلیم بے نیازی — گرو نانک

خالد

ذیل کی نظم میں جناب خالد نے حافظ - عمر خیام اور اقبال کے خصوصیات کو اپنے دل آویز انداز بیان سے نمایاں کیا ہے ✦

حافظ

کیا سحر کاریٔ نگہ میفروش ہے
محفل کا فرد فرد گنہگار ہوش ہے

ساقی پلا وہ مے کہ مٹے ہستوں کا سوز
دل میں ہنوز جذبۂ احساس جوش ہے

رندوں پہ لطف بخشش پیر مغاں رہے
مخمور بیخودی دل غم آشیاں رہے

خیام

اے جرعہ نوش ساغر میخانۂ حیات
کیوں پائمال کاوش فردا و دوش ہے

دل کیف گاہ عشرت امروز اور بست
رنگینیٔ نشاط نوائے ینوش ہے

یہ مہلت قلیل خوشی سے گذار دے
کیوں زندگی اسیر غم این و آں رہے

اقبال

سرگرم جستجو ہو توانائی حیات
یہ اقتضائے فطرت ہنگامہ کوش ہے

ہر ذرہ ہے امین تمنائے سوز شوق
ہر قطرہ محمل دل محشر فروش ہے

مضمر ترے سکوں میں ہو اک حشر اضطراب
اور زندگی تری تپش جاوداں رہے